آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۞ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۸ جون سنہ ۱۹۱۹ء نمبر ۶

مطابق رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۷ھ

چندہ سالانہ ۳

عام طلباء سے ۱/۸

فہرست مضامین

حضرت خلیفۃ المسیح اول شاہی حکیم مولانا مولوی نورالدین صاحب کی مجرب ادویات

سرمہ لاثانی کمزوری آنکھ - دھند - جالا - سرخی چشم - ضعف بصارت - آنسوؤں کا جاری ... رہنا - ان امراض کا لاثانی سرمہ - **قیمت ۶ ماشہ عہ**

سرمہ برقی - کمزوری آنکھ - خارش - آنکھوں سے پانی کا آنا - دھند **قیمت ۶ ماشہ عہ**

حب اکسیر جنین - اٹھرا کی بیماری کا مجرب المجرب علاج - اٹھرا یعنی حمل کا گر جانا بچہ کا مردہ پیدا ہونا قیمت فی تولہ عہ

مومیائی - بدن کی طاقت کیلئے اکسیر - تمام قوتوں کا مجموعہ - کیسی ہی کمزوری ہو اس کے استعمال سے رفع ہو جاتی ہے - **قیمت فی تولہ عہ**

معجون مسکی - بدن کی زردی - کمی خون - دل کا دھڑکنا - معدہ کی کمزوری - سانس کا پھولنا - ان بیماریوں کے لئے اکسیر ہے - **قیمت ۴ تولہ عہ**

حب سعال - وہ خشک کھانسی جو آرام لینا کالعدم کردے اور کھانستے کھانستے سینہ درد کرے - چند گولیوں کے کھانے سے آرام ہو جاتا ہے - **۴ درجن عہ**

حب اصفر - مرطوب کھانسی کی ضامن - نزلہ - زکام - بلغمی تپ اس کے استعمال سے کافور ہو جاتا ہے **فی درجن ۶**

حب جانا - تمام بدن کی کھوئی ہوئی طاقت کا واپس لانا ان کا فرض عین ہے کمی خون کو چند یوم میں پورا کر دینا ان کا منصب ہے تمام پٹھوں کی کمزوری کیلئے انکے اندر برقی تماشا ہے دماغ کی قوت میں بے مثل ہیں نسیان کو دور کرنا انکے ہاتھ کا کھیل ہے منگواؤ اور فائدہ - **۲۰ گولیاں عہ**

تریاق معدی - درد شکم - قراقر - بدہضمی - متلی - قے - نفخ - کمزوری معدہ - غذا کا ہضم نہ ہونا - ترش ڈکاروں کا آنا - ان امراض کے لئے تحفہ کاغانی ہے فی شیشی ۱۲

مرہم - پرانے اور نئے اور گندے سے گندے زخم چند یوم کے استعمال سے اچھے ہو جاتے ہیں - ڈبیہ ۱۲

ملنے کا پتہ: نظام جان عبدالرحمٰن کاغانی - قادیان ضلع گورداسپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

ہمارا آقا صلی اللہ علیہ وسلم

گذشتہ سے پیوستہ

قبائل کا دورہ یہ اوپر بتایا جاچکا ہے کہ جب حضرت شعب ابی طالب میں محصور تھے تو اس زمانہ میں ہی آنحضرتؐ نے اشہر حرم میں قبائل عرب کا دورہ شروع کردیا تھا۔ طائف سے واپسی پر جب مکّہ اور طائف کی طرف سے بظاہر ایک ناامیدی کی سی صورت تھی آپؐ نے دیگر قبائل عرب کی طرف خصوصیت کے ساتھ زیادہ توجہ شروع کی۔ عکاظ۔ مجنۃ۔ ذو المجاز میں باقاعدہ اشہر حرم میں بالترتیب سالانہ میلے لگتے تھے اور تمام اکناف عرب سے لوگ جمع ہوتے تھے اور پھر خود مکّہ معظمہ میں بھی ایّام حج میں تمام عرب سے لوگوں کا ایک بڑا مجمع ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ نے ان موقعوں سے فائدہ اُٹھانا شروع کیا اور باقاعدہ قبائل عرب کا دورہ شروع فرمایا۔ ہر ایک قبیلہ میں جاتے اور اسلام کی طرف لوگوں کو بلاتے۔ مگر قریش نے اس کام میں بھی روک تھام شروع کردی کیونکہ قبائل کا مسلمان ہوجانا ان کے لئے ایسا ہی خطرناک تھا جیسا خود ان کے اپنے لوگوں کا اسلام لے آنا۔ آنحضرتؐ کے حقیقی چچا ابو لہب نے تو گویا باقاعدہ اپنا یہ فرض مقرر کرلیا تھا جس قبیلہ میں آنحضرتؐ جاتے وہ آپؐ کے ساتھ جاتا اور جب آپ اپنی تقریر ختم کرتے تو وہ بلند آواز

سے لوگوں کو مخاطب کرکے کہتا کہ یہ اپنے دین سے پھر گیا ہے اور تمہارا دین بھی خراب کرنا چاہتا ہے۔ لوگ جب دیکھتے کہ آپؐ کی اپنی قوم کے لوگ اور اپنے قریبی رشتہ دار آپؐ کو جھوٹا کہتے ہیں تو وہ یہی خیال کرتے کہ ضرور اس میں کچھ دھوکا ہے پس وہ انکار کرتے اور ہنسی مذاق میں آنحضرتؐ کی باتوں کو ٹال دیتے۔ بعض اوقات ابوجہل نے بھی اسی طرح قبائل کا دورہ کرکے آنحضرتؐ کے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کی۔

بعض قبائل کے ساتھ آنحضرتؐ خفیہ بھی ملے یعنی ایسا موقعہ نکال کر پہنچے کہ ابولہب وغیرہ آپؐ کا پیچھا نہ کرسکے۔ ایسے موقعوں پر جو گفتگو قبائل والوں سے آپؐ کی ہوئی وہ بہت دلچسپ ہے لیکن بخوف طوالت صرف ایک موقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ آنحضرت صلعم نے جب بنو عامر بن صعصعۃ کے سامنے اسلام پیش کیا اور اپنا ساتھ دینے کی ترغیب دی تو ان میں سے ایک شخص بولا "اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر ہم نے تمہاری بیعت کرلی اور تمہارا ساتھ دیا اور تم کو اللہ نے تمہارے مخالفوں پر غالب کردیا تو تمہارے بعد حکومت اور خلافت ہم کو ملیگی یا نہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا "خلافت کا معاملہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے" اس نے سامنے سے جواب دیا "کیا ہم تیری خاطر تمام عرب کے سامنے سینہ سپر ہوں اور جب اللہ تجھے غالب کردے تو حکومت غیر کے ہاتھ میں جاوے؟ اس صورت میں ہمیں تیری حاجت نہیں" غرض اسی طرح آنحضرت صلعم مختلف قبائل عرب کے دورہ میں مصروف رہتے تھے مگر کامیابی کی امید کہیں بھی نہیں بندھی بلکہ بعض قبائل کی طرف سے نہایت سخت اور تُرش جواب ملے مگر حق ہمیشہ اپنے لئے راستہ نکال لیتا ہے اور کوئی نہ کوئی ایسے لوگ بھی نکل آتے ہیں جو حق کی باتیں سُنتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ ایک موقعہ پر شہر سے باہر عقبہ* کے پاس یثرب کے چند آدمیوں سے آنحضرتؐ کی ملاقات ہوگئی۔ مگر پیشتر اس کے کہ ہم اس

---

* عقبہ ایک گھاٹی کا نام ہے جو مکہ اور منیٰ کے درمیان ہے اور مکہ سے قریباً ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ منہ

ملاقات کا حال اور اس سے اگلے واقعات بیان کریں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مختصر سا حال (مفصل ذکر انشاء اللہ اپنے موقعہ پر باب پنجم میں آئیگا) یثرب اور وہاں کے لوگوں کا بیان کردیں تا ان واقعات کا سمجھنا آسان ہو ؂

یثرب اور اس کی آبادی

حجاز میں مکہ سے شمال کی طرف مکہ سے قریباً اڑھائی سو میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے جس کا نام مدینہ ہے اسلام سے پہلے اس کا نام یثرب تھا۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں اس شہر کی آبادی مذہباً دو حصوں میں منقسم تھی۔ یہود اور بت پرست۔ یہود تین قبائل میں منقسم تھے اور بت پرستوں کی آبادی بھی دو بڑی قوموں میں تقسیم شدہ تھی یعنی اوس اور خزرج جو ہمیشہ آپس میں برسر پیکار رہتے تھے۔ اور نوبت خانہ جنگیوں اور لڑائیوں تک پہنچی ہوئی تھی۔ حتیّٰ کہ انہی ایام میں جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں ایک خطرناک لڑائی کی تیاری تھی جو جنگ بُعاث کے نام سے مشہور ہے اور جس میں اوس اور خزرج کے بڑے بڑے نامور لوگ کٹ کٹ کر ہلاک ہوگئے ؂

چونکہ یہود مذہبی اور علمی لحاظ سے ان بت پرست قبیلوں پر فوقیت رکھتے تھے اور دولت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اس لئے اوس اور خزرج پر یہود کا ایک خاص اثر تھا حتیّٰ کہ اگر ان میں سے کسی کے بیٹے زندہ نہ رہتے تھے تو وہ منت مانتا تھا کہ میرا بیٹا زندہ رہیگا تو اسے یہودی بناؤنگا ؂

یہود کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اوس اور خزرج بھی کتب سماوی اور سلسلہ رسالت سے آشنا ہوگئے تھے اور چونکہ یہود میں ایک نبی کی آمد کا انتظار تھا اسلئے یہ بات اوس اور خزرج کے کانوں تک بھی پہنچ چکی تھی کیونکہ یہود ان سے کہا کرتے تھے کہ اب ایک نبی آنیوالا ہے۔ وہ جب آئیگا تو ہم اس کا ساتھ دینگے اور وہ ایک بڑی سلطنت قائم کرے گا اور ہم دنیا میں بہت طاقتور ہوجاوینگے وغیرہ وغیرہ ؂

یثرب میں اسلام

اس مختصر نوٹ کے بعد ہم پھر اپنے اصل مضمون کی طرف عود کرتے

ہیں۔ یثرب کے جن چند آدمیوں سے آنحضرت صلعم کی ملاقات ہوئی وہ قبیلہ اوس سے تھے اور اپنے بت پرست بھائیوں یعنی خزرج کے خلاف قریش سے مدد طلب کرنے آئے تھے یہ جنگ بعاث سے پہلے کا واقعہ ہے۔ گویا یہ طلب مدد اسی جنگ کی تیاری کا ایک حصہ تھی۔ آنحضرتؐ نے انکو دیکھا تو اسلام کی دعوت دی۔ آنحضرتؐ کی تقریر سنکر ایک نوجوان شخص ایاس بے اختیار بولا " خدا کی قسم جس طرف یہ ہم کو بلاتا ہے وہ اُس سے بہتر ہے جس کے لئے ہم یہاں آئے ہیں " مگر اس گروہ کے سردار نے سختی کے ساتھ اسے خاموش کرا دیا۔ اور اس طرح اسوقت یہ معاملہ یونہی دب کر رہ گیا۔ گو روایت آتی ہے کہ ایاس جب واپس وطن جاکر فوت ہوا تو اس کی زبان پر توحید کا کلمہ جاری تھا واللہ اعلم ؁

اس کے بعد ۱۱ سنہ نبوی ماہ ذی الحجہ میں جب حج کے موقع پر لوگ مکہ میں جمع ہوئے تو آنحضرتؐ کی مدینہ والوں سے پھر ملاقات ہوگئی۔ آنحضرتؐ نے ان سے نام و نسب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ قبیلہ خزرج کے لوگ ہیں اور یثرب سے آئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی اور قرآن مجید کی چند آیتیں سنائیں۔ انہوں نے ایکدوسرے کی طرف دیکھا اور کہا " یہ موقعہ ہے ایسا نہ ہو یہود ہم سے سبقت لیجاویں " یہ کہکر سب مسلمان ہوگئے۔ یہ چھ اشخاص تھے جن میں سے زیادہ معروف یہ ہیں :- اسعد بن زرارۃ - رافع بن مالک - ابوالہیثم بن تیہان ؁

بیعت عقبہ اولیٰ

دوسرے سال یعنی ۱۲ سنہ نبوی ماہ ذی الحجہ میں حج کے موقعہ پر بارہ اشخاص مدینہ سے آئے اور مقام عقبہ میں آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ بیعت کے بعد انہوں نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ ان کے ساتھ کوئی معلّم اور مبلّغ بھیجا جاوے۔ آنحضرت صلعم نے مصعب بن عمیر کو جن کے اسلام کا اوپر ذکر گذر چکا ہے ان کی درخواست پر مدینہ بھجوا دیا۔ مصعب مدینہ میں پہنچکر اسعد بن زرارۃ

کے مکان پر ٹھیرے اور مدینہ کے لوگوں میں اسلام تبلیغ شروع کی۔ اللہ کا فضل ایسا ہوا کہ تھوڑے عرصہ میں ہی مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا اور اوس اور خزرج مسلمان ہونے شروع ہوئے ؛

ان اسلام لانے والوں میں سے ایک شخص کے اسلام کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کیونکہ وہ اس پایہ کا شخص ہے کہ ایک روایت آتی ہے کہ جس طرح مہاجرین میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ایک نمایاں طور پر ممتاز حیثیت رکھتے تھے اسی طرح انصار میں وہ شخص ایک خاص امتیاز رکھتا تھا یعنی **سعد بن معاذ** رضی اللہ عنہ۔ سعد بن معاذ نہ صرف اپنے قبیلہ یعنی **بنی عبدالاشہل** کے سردار تھے بلکہ تمام قبیلہ اوس کے ممتاز رئیس تھے اور اپنی قوم میں نہایت عزت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جب **مصعب بن عمیر** نے مدینہ میں لوگوں کو مسلمان کرنا شروع کیا اور اسعد بن زرارۃ کے مکان پر اپنا تبلیغی مرکز قائم کیا تو سعد کو یہ سخت ناگوار ہوا اور انہوں نے اس سلسلہ کو روکنے کی تجویز کی لیکن چونکہ اسعد سے انکی قریب کی رشتہ داری تھی اس لئے خود براہ راست دخل دیتے ہوئے رکتے تھے کہ کوئی بدمزگی نہ پیدا ہو جاوے۔ لہذا انہوں نے اپنے ایک دوسرے رشتہ دار **اسید بن الحضیر** جن کا باپ جنگ بعاث میں اوس کا سپہ سالار تھا اور وہ خود بھی سرداران اوس سے تھے کہا کہ تم جا کر **مصعب** کو روک دو کہ وہ یہاں ہمارے لوگوں میں اپنا مذہب نہ پھیلائیں۔ چنانچہ اسید بن الحضیر بڑے غصہ میں گئے اور کہا کہ تم کیوں ہمارے آدمیوں کو بیدین کرتے ہو اس سے باز آجاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" مصعب نے کہا "آپ یونہی ناراض نہ ہوں بلکہ مہربانی کر کے ذرا تشریف رکھیں اور ٹھنڈے دل سے ہماری بات سنیں۔" اسید بیٹھ گئے اور مصعب نے قرآن شریف سنایا اور اسلام کی طرف دعوت دی۔ اسید پر اتنا اثر ہوا کہ وہیں مسلمان ہو گئے۔ اور پھر کہنے لگے کہ ذرا ٹھیر جاؤ میرے پیچھے ایک ایسا شخص ہے کہ جو اگر ایمان لے آیا تو اس کی ساری

قوم ایمان لے آئیگی اور میں اسے یہاں ابھی بھیجتا ہوں۔ یہ کہکر اسید باہر گئے اور انکے
جانے کے تھوڑی دیر کے بعد ہی سعد بن معاذ تشریف لے آئے اور نہایت غضبناک
ہوکر اسعد بن زرارۃ اور مصعب سے مخاطب ہوئے مگر مصعب نے اسی طرح
نرمی کے ساتھ ان کو ٹھنڈا کیا اور اسلام کی تبلیغ کی۔ ابھی زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ
سعد نے کلمہ شہادت پڑھا اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر سعد بن معاذ اور
اسید بن الحضیر دونو ملکر اپنی قوم کی طرف گئے اور سعد ان کو مخاطب ہوکر یوں کہنے
لگے "اے بنی عبد الاشہل تم مجھ کو کیسا جانتے ہو؟" انہوں نے کہا "تم ہمارے
سردار ہو اور سب میں بزرگ تر ہو" سعد نے کہا "تو پھر ہمارے ساتھ تمہارا کوئی تعلق
نہیں جب تک تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاؤ" لکھا ہے کہ بنی عبد الاشہل
میں ایک متنفس بھی باہر نہیں رہا بلکہ اسی وقت سب سلمان ہوگئے اور سعد اور اسید
نے خود اپنے ہاتھ سے اپنی قوم کے بت نکال نکال کر توڑے ؎

غرض اسی طرح سرعت کے ساتھ مدینہ میں اسلام پھیلتا گیا۔ یہود خوف بھری
آنکھوں کے ساتھ یہ نظارے دیکھتے تھے مگر کچھ کہہ نہ سکتے تھے ؎

یہ تو مدینہ کے خوش کن واقعات ہیں جو بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد پیش آئے
مگر ادھر مکہ میں یہ سال آنحضرت صلعم اور مسلمانوں پر نہایت سختی اور تنگی کا گذرا۔ قریش
دن بدن اپنے مظالم میں ترقی کرتے جاتے تھے۔ خاصکر جب انہوں نے مدینہ میں
اس طرح جلدی جلدی اسلام پھیلتے دیکھا تو ان کی دشمنی کی آگ بہت زیادہ بھڑک
اٹھی اور انہوں نے بغیر لحاظ چھوٹے بڑے کے سب کو تنگ کرنا شروع کیا ؎

بیعت عقبہ ثانیہ

اگلے سال یعنی ۱۳ سنہ نبوی میں حج کے موقع پر بہتر اشخاص
اوس اور خزرج سے عقبہ کی گھاٹی میں آنحضرتؐ سے ملے۔
یہ بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے ملاقات کا وقت رات کا مقرر کیا گیا تھا
تا تمام کارروائی خفیہ رکھی جاسکے۔ آنحضرتؐ جب گھر سے نکلے تو آپؐ کے ساتھ کوئی نہ تھا

مگر راستہ میں عباس آملے جن سے پہلے سے بات ہو چکی تھی۔ عباس آنحضرتؐ کے چچا تھے اور ابھی تک کفر کی حالت میں ہی تھے مگر آنحضرتؐ سے محبت رکھتے تھے۔ ملاقات کے وقت عباس نے یوں کلام شروع کیا "اے خزرج کے گروہ! (عرب لوگ اوس اور خزرج دونو کو عام طور پر صرف خزرج ہی کے نام سے یاد کرتے تھے) محمد (صلعم) اپنے خاندان میں معزز و مکرم ہے اور وہ خاندان ان کی حفاظت کرتا ہے سو اگر تم ان کو اپنے پاس لے جانا چاہتے ہو (اور وہ بھی تمہارے سوا اور کسی کے پاس جانا پسند نہیں کرتے) تو تمھیں ان کی حفاظت کرنی ہوگی۔ اگر تم اس کے لئے تیار ہو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دیدو۔" البراء بن معرور نے جواب دیا "عباس ہم نے تمھاری بات سن لی اب ہم چاہتے ہیں کہ خود رسول اللہ کچھ فرماویں۔" اس پر آنحضرتؐ نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی اور حقوق اللہ اور حقوق العباد بیان کرتے ہوئے ان ذمہ داریوں کو کھولکر بیان فرمایا جو آپؐ کو اپنے وطن میں لیجاتے ہوئے انصار پر عائد ہوتی تھیں۔ جب آپؐ تقریر ختم کر چکے تو البراء بن معرور نے کہا "ہم اس کے لئے تیار ہیں"، مگر ابھی وہ بات ختم نہ کرنے پائے تھے کہ ابو الہیثم بن تیہان نے کہا "یا رسول اللہؐ ہمارے اور یہود کے باہم تعلقات ہیں۔ آپؐ کے تشریف لیجانے سے وہ منقطع ہو جائینگے سو ایسا نہ ہو کہ جب آپؐ کو اللہ تعالیٰ غلبہ دے تو آپؐ پھر واپس اپنے وطن تشریف لے آویں اور ہم یوں ہی رہجاویں۔" آنحضرت صلعم مسکرائے اور فرمایا "نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ تمھارا خون میرا خون ہے اور تمھارے دوست میرے دوست ہیں اور تمہارے دشمن میرے دشمن"۔ عبد اللہ بن رواحہ بولے "یا رسول اللہؐ ہم کو اس کے نتیجہ میں کیا ملیگا؟" آپؐ نے فرمایا "جنت"۔ عبد اللہ نے جواب میں کہا "تو بس اب یہ سودا ہو چکا ہے۔ اب نہ آپؐ اس سے پیچھے ہٹیں اور نہ ہم ہٹینگے"۔ غرض سب نے آنحضرتؐ کے ہاتھ پر ایک ایک کرکے بیعت کی۔ جب بیعت ہو چکی تو اسعد بن زرارہؓ نے اُٹھکر کہا "لوگو جانتے ہو اس

قول واقرار کے کیا معنی ہیں؟ - اب تم کو تمام دنیا کے جنگ کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے"۔
سب نے کہا "ہاں ہم جانتے ہیں"۔ اس کے بعد آنحضرت صلعم نے ان آدمیوں سے بارہ نقیب چنے جن میں سے نو قبیلہ خزرج اور تین اوس میں سے تھے اور جو خود انصار ہی کے تجویز کردہ تھے - ان میں چند ایک نام یہ ہیں :-

(۱) اسید بن حضیر - ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے یہ قبیلہ اوس کے معزز رئیسوں میں سے تھے۔
(۲) اسعد بن زرارۃ - ان کا ذکر بھی اوپر گذر چکا ہے۔
(۳) سعد بن عبادۃ - قبیلہ خزرج کے نہایت ممتاز رئیس تھے اور آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں نہایت ممتاز صحابہؓ میں سے شمار کیئے جاتے تھے حتّٰی کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد انصار نے انہی کو خلافت کے لئے پیش کیا تھا اور اسی لئے ان کو اس موقع پر سخت ٹھوکر لگی۔
(۴) عبادۃ بن الصامت - علماء صحابہؓ میں سے ہیں۔
(۵) عبد اللہ بن رواحہ - ممتاز صحابہؓ میں سے تھے اور شاعر بھی تھے۔
(۶) البراء بن المعرور - سرداران انصار میں سے تھے اور معمر آدمی تھے۔ ہجرت سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔

یہ سب لوگ مختلف قبائل انصار کے معزز سردار تھے اور اپنے اپنے قبائل میں اثر رکھتے تھے۔

اس تمام کارروائی کے بعد جس خاموشی کے ساتھ یہ مجمع اکٹھا ہوا تھا اسی طرح برخاست ہوا مگر کسی طرح قریش کے کانوں تک اڑتی اڑتی یہ خبر پہنچ گئی کہ اس طرح اوس اور خزرج نے محمد صلعم کا ساتھ دینے کا عہد و پیمان کیا ہے۔ وہ صبح ان کے ڈیرے میں پہنچے اور ان سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ اللہ کی قدرت اتفاق ایسا ہوا کہ قریش کی گفتگو اوس اور خزرج کے بت پرست لوگوں سے ہی ہوئی۔ ان کو چونکہ رات کے واقعہ کی مطلق خبر نہ تھی اسلیئے انہوں نے صاف انکار کیا کہ قطعاً ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔

لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول (جو بعد میں منافقین مدینہ کا سردار بنا) بھی اس قافلہ میں تھا اور چونکہ دنیاوی لحاظ سے عبداللہ بہت بڑا آدمی تھا اور قوم میں نہایت معزز و مکرم تھا اس لئے اس نے قریش سے کہا "کیا کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ اوس اور خزرج ملکر کوئی بات کریں اور مجھے اس کی اطلاع نہ ہو" غرض اس طرح قریش کا شک رفع ہوا اور وہ واپس آئے۔ اس کے تھوڑی دیر کے بعد ہی انصار واپس یثرب کی طرف کوچ کر گئے ؛

ایک روایت آتی ہے کہ قریش کو پھر شبہ ہوا تو انہوں نے مدینہ والوں کا تعاقب کیا اور دو مسلمان پکڑ لائے جن میں سے ایک تو بھاگ گیا اور دوسرے (سعد بن عبادۃ) کو یہ لوگ پکڑ کر مکہ لے آئے اور خوب زدوکوب کی مگر ایک معزز قریش نے جو سعد کا واقف تھا سعد کو قریش کے مظالم سے چھڑایا اور واپس روانہ کیا ؛

لکھا ہے کہ ان بہتّر آدمیوں کے ساتھ جو اس سال حج کے موقعہ پر مکہ آئے تھے اور بیعت میں شریک ہوئے مصعب بن عمیر بھی مدینہ سے مکہ آئے تھے مصعب کی ماں زندہ تھی اور مصعب سے بہت محبت کرتی تھی۔ جب یہ مکہ میں آئے تو ان کی ماں نے کہلا بھیجا کہ پہلے مجھ سے آکر ملو۔ مگر مصعب ابھی تک آنحضرت صلعم سے نہ مل چکے تھے اس لئے انہوں نے واپس کہلا بھیجا کہ "میں محمد رسول اللہ صلعم کے اوپر کسی کو مقدم نہیں کرسکتا پہلے ان سے ملونگا اور پھر کسی اور سے" چنانچہ آنحضرت صلعم سے ملاقات کے بعد مصعب اپنی ماں کے پاس گئے۔ وہ ان کو دیکھکر روئی اور بہت گلا شکوہ کیا۔ مصعب نے کہا "ماں میں تم کو ایک بڑی اچھی بات بتاتا ہوں جو تمھارے لئے بہت مفید اور بابرکت ہے" اس نے کہا وہ کیا ؟ مصعب نے آہستہ سے جواب دیا اشهد انه لا اله الا الله وان محمداً عبده ورسوله ان کی ماں نے یہ سنتے ہی شور مچادیا اور کہا "ستاروں کی قسم میں تیرے اس دین میں کبھی داخل نہ ہونگی" ؛

ہجرت یثرب آنحضرت صلعم کو ایک دفعہ رویا میں وہ جگہ دکھائی گئی تھی جہاں

آپ نے ہجرت کر کے جانا تھا۔ چونکہ انبیاء بھی آخر بشر ہی ہوتے ہیں اور علم غیب سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کسی کو حاصل نہیں اس لئے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کوئی آیندہ ہونیوالی بات ان کو بتائی جاتی ہے اس کا مفہوم سمجھنے میں ان سے بھی اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے۔ اس اجتہادی غلطی کی مثالیں گذشتہ انبیاء میں بھی کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہیں اور خود سرور کائنات ؐ کے سوانح میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ اور ایسی غلطیوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض مصالح مدنظر ہوتے ہیں جن کے بیان کی اس جگہ ضرورت نہیں۔ غرض آنحضرت صلعم کو اپنی ہجرت کا مقام دکھایا گیا تھا۔ مگر آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ ذھب وھلی الیٰ انّھا الیمامۃ او ھجر فاذا ھی المدینۃ یثرب (بخاری) یعنی میرا خیال اسی طرف گیا کہ وہ یمامہ یا ھجر ہے مگر وہ یثرب نکل آیا" یعنی واقعات نے بعد میں ثابت کیا کہ آپ ؐ کا خیال درست نہ تھا بلکہ مقام ہجرت دراصل یثرب تھا۔

خیر جب حج کے موقعہ پر بہتّر انصار عقبہ کی گھاٹی میں آنحضرت صلعم سے بیعت کر کے واپس چلے گئے اور تمام عہد و پیمان ہو چکا تو آپ ؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جو جا سکیں سب یثرب کی طرف ہجرت کر جاویں۔ چنانچہ تھوڑے عرصہ میں ہی باوجود قریش کی طرف سے کئی قسم کی روکوں کے سب مسلمان خفیہ خفیہ ہجرت کر گئے اور مکہ میں صرف آنحضرت صلعم اور ابو بکرؓ اور علی رضی اللہ عنہما اور ان کے اہل و عیال اور بعض کمزور لوگ رہ گئے۔ یہ مہاجرین مدینہ میں انصار کے مکانات پر بطور مہمان ٹھیرے اور اسی حالت میں رہے جب تک خود آنحضرت ؐ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے اور ان کے لئے الگ مکانات کا انتظام فرمایا۔ مدینہ والوں نے (جن کو مہاجرین کی مدد اور نصرت کرنے اور آنحضرت صلعم کو پناہ دینے کی وجہ سے انصار کہتے ہیں) تمام مہاجرین کی نہایت گرمجوشی کے ساتھ خاطر و تواضع کی اور اپنے حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھکر انکو عزیز رکھا۔ چنانچہ جب آنحضرت صلعم ہجرت کر کے مدینہ گئے تو آپ ؐ نے سب مہاجرین کو انصار

کی تعریف میں رطب اللسان پایا ٭

ہجرت عظمیٰ اب ہم اس عظیم الشان واقعہ کے قریب پہنچ گئے ہیں جبکہ اسلام میں ایک بالکل نیا دور شروع ہوا اور ایک انقلاب عظیم آیا یعنی آنحضرت صلعم کا اپنے وطن مالوف سے نکلکر یثرب کی طرف ہجرت کر جانا۔ اسلامی سنہ ہجری اسی واقعہ سے شمار کیا جاتا ہے گویا کہ اس کے بعد کا زمانہ اسلامی زمانہ ہے ٭

جب تمام مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے اور صرف دو چار مسلمان مکہ میں رہ گئے تو قریش کو مسلمانوں کی طرف سے سخت ڈر پیدا ہوا کیونکہ ان کو صاف نظر آرہا تھا کہ اس طرح تمام مسلمانوں کا وطن سے بے وطن ہو جانا ضرور کوئی رنگ لائیگا چنانچہ انہوں نے اپنی جگہ سوچ بچار شروع کی کہ کوئی ایسی تدبیر کی جاوے کہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے مٹ جاوے۔ آنحضرت صلعم ابھی مکہ میں ہی تھے اور اللہ کی طرف سے ہجرت کے متعلق اجازت آنے کے انتظار میں تھے۔ مکہ والوں نے دیکھا کہ یہ موقعہ اچھا ہے۔ مسلمان سب جا چکے ہیں اور محمد (صلعم) اب گویا اکیلا ہے اسلئے اس کے متعلق ایسی تجویز کی جاوے کہ بس اس کا خاتمہ ہی ہو جاوے چنانچہ وہ اس خیال سے دار الندوۃ میں جمع ہوئے اور باہم مشورہ کرنے لگے۔ اس مشورہ میں ایک غیر قریش بوڑھا شخص جس نے اپنے آپ کو نجد کا رہنے والا ظاہر کیا تھا وہ بھی آشریک ہوا۔ اور مشورہ یوں شروع ہوا۔

ایک شخص۔ محمدؐ کو زنجیروں میں باندھ دو اور ایک کمرہ میں قید کر دو کہ وہیں تباہ ہو جاوے۔

شیخ نجدی۔ یہ رائے درست نہیں کیونکہ اس کے رشتہ دار اور متبعین کو معلوم ہو گا تو وہ آئینگے اور اس کو چھڑا لینگے اور فساد بڑھیگا۔

دوسرا شخص۔ محمدؐ (صلعم) کو مکہ سے باہر نکال دیں اور جلا وطن کر دیں۔ اور جب وہ ہماری آنکھوں سے دور ہو گیا تو ہم کو کیا پروا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کیا

کرتا ہے۔

شیخ نجدی۔ کیا تم نے اس کی شیریں زبانی اور فصاحت و بلاغت نہیں دیکھی۔ اگر وہ یہاں سے یونہی سلامت نکل گیا تو تمام عرب کو اپنی جادو بیانی سے تمہاری خلاف انڈا لائیگا اور تم اس کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکو گے۔

غرض اسی طرح باہم قیل و قال ہوتی رہی آخر ابو جہل بولا۔

ابو جہل۔ ایسا کیا جاوے کہ قریش کے ہر ایک قبیلے سے ہم ایک ایک جوان چنیں اور ان کے ہاتھ میں تلواریں دیدیں۔ پھر یہ لوگ یکلخت ایک آدمی کی طرح اکٹھے ہو کر محمدؐ پر حملہ کریں اور اسکو قتل کردیں۔ ایسا کرنے سے اس کا خون تمام متفرق قبیلوں پر پھیل جائیگا اور اس کے قبیلہ کو اتنی جرأت ہرگز نہیں ہو گی کہ ساری قوم کے ساتھ لڑائی کرنے کو تیار ہو جائیں پس لامحالہ ان کو اس کے خون کے بدلے میں دیت ہی قبول کرنی ہو گی سو وہ ہم دیدینگے"۔

شیخ نجدی۔ اس شخص کی رائے نہایت مناسب اور درست ہے اور ایسا ہی کرنا چاہیئے۔

غرض اس رائے پر تمام کا اتفاق ہو گیا۔ قرآن شریف میں ان کے اس مشورہ کا اس طرح پر ذکر ہے و اذ یمکر بك الذین كفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك و یمکرون و یمکر اللہ ؕ واللہ خیر الماکرین ۝ اور یاد کر جب کہ کافر تیرے متعلق تجویزیں کرتے تھے کہ تجھے قید کردیں یا تجھے قتل کردیں یا نکال دیں اور وہ خوب تجویزیں کرتے تھے مگر اللہ نے اپنی جگہ تدبیر کی اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے" اُدھر یہ اپنا مشورہ کرکے نکلے کہ تا رحمت للعلمین کے خون سے اپنے پلید ہاتھ رنگین اور اِدھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو ان کے اس بد ارادہ سے اطلاع دی اور اجازت فرمائی کہ آپؐ مکہ سے ہجرت کر جاویں ؛

یہ اطلاع پا کر آنحضرت صلعم گھر سے نکلے۔ سخت گرمیوں کے دن تھے اور تپتی ہوئی

دوپہر کا وقت تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلعم کا معمول تھا کہ ہر روز صبح یا شام آپؐ حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر تشریف لایا کرتے تھے۔ اس دن جو بے وقت آئے تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ آج کوئی غیر معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ جب آنحضرت صلعم دروازہ پر پہنچے تو آپؐ نے اندر آنے کی اجازت چاہی اور اجازت کے بعد اندر داخل ہوئے اور فرمایا "کوئی غیر شخص پاس نہ ہو" ابو بکرؓ نے عرض کیا "آپؐ ہی کی زوجہ عائشہ ہے" آنحضرتؐ نے فرمایا "تو خیر۔ مجھے ہجرت کی اجازت دی گئی ہے" ابو بکرؓ ہر روز اس خبر کے انتظار میں رہتے تھے فوراً بولے "الصحبۃ یا رسول اللہ" یعنی یا رسول اللہ مجھے بھی ساتھ رکھئے گا؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا "ہاں آپؐ ساتھ ہونگے" ابو بکرؓ کو خدا تعالیٰ نے عجیب ایمان دیا تھا۔ آنحضرتؐ کا یہ جواب سنا تو خوشی کے مارے رونے لگ گئے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے جلدی جلدی ہجرت کی تیاری شروع کی اور اسماء بنت ابی بکرؓ نے کھانا تیار کیا تا راستہ میں کام آوے مگر اسوقت گھر میں کھانے کا برتن ڈھانکنے کے لئے کوئی کپڑا تک نہ تھا اسلئے اسماء نے جھٹ اپنا نطاق دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑا کھانے کے برتن پر باندھ دیا۔ اس سبب سے ان کو ذات النطاقین یعنی دو نطاقوں والی کہتے ہیں ؎

آغاز ہجرت

رات کا وقت تھا اور ظالم قریش اپنے خونی ارادے کے ساتھ آپؐ کے مکان کے گرد جمع ہو چکے تھے اور مکان کا محاصرہ کر لیا گیا تھا۔ آنحضرت صلعم خاموشی کے ساتھ اپنے بستر پر سے اُٹھے اور حضرت علیؓ کو اپنا تمام حساب کتاب سمجھا دیا اور تاکید کر دی کہ بغیر امانتیں واپس کرنے کے مکّہ سے ہرگز نہ آنا۔ تعجب کے باوجود اس مخالفت کے مکّہ والے اپنی امانتیں آنحضرت صلعم کے پاس رکھواتے تھے۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی جگہ لٹا دیا۔ اور اپنی چادر ان پر اُڑھا دی۔ اور پھر نہایت خاموشی کے ساتھ مکان سے نکلے۔ اللہ کی طرف سے ایسا سامان ہوا کہ اسوقت قریش پر اسقدر غفلت کی

حالت تھی کہ آنحضرت صلعم ان کے اندر سے نکل گئے اور ان کو معلوم تک نہ ہوا *

اسکے بعد قریش تھوڑی دیر کے بعد مکان میں جھانک کر دیکھتے تو حضرت علیؓ کو لیٹا ہوا پاتے اور خیال کرتے کہ محمد (صلعم) لیٹے ہوئے ہیں جب صبح ہوئی تو علیؓ بستر سے اٹھے اور قریش کو حقیقت امر سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے بہت شور مچایا اور حضرت علیؓ کو کچھ مارا پیٹا بھی اور تھوڑی دیر قید بھی رکھا مگر پھر چھوڑ دیا *

آنحضرت صلعم جب رات کے وقت مکان سے نکلے تو کعبہ کے پاس سے گذرتے ہوئے ٹھہر گئے اور کعبہ کی طرف حسرت آمیز نگاہوں سے دیکھکر کہنے لگے۔ "مکہ تو مجھے سب شہروں سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے" اسکے بعد آپ سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی طرف تشریف لیگئے اور وہاں سے انکو ساتھ لیکر شہر سے نکلے۔ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک غار ہے جو غار ثور کے نام سے مشہور ہے وہاں پہنچے اور اسکے اندر داخل ہو گئے حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو تاکید کردی تھی کہ قریش کی حرکات کا خیال رکھیں اور رات کو آکر غار ثور میں انکو بتا جایا کریں حضرت ابوبکرؓ کے خادم عامر بن فہیرۃ کے سپرد یہ کام تھا کہ دن کے وقت انکی بکریاں چرائیں اور رات کو وہاں انکے پاس دودھ لیکر پہنچ جایا کریں *

غرض اس طرح برابر تین دن تک آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ غار ثور میں مقیم رہے۔ قریش نے عام اعلان کر رکھا تھا کہ جو کوئی آنحضرت صلعم کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لائیگا اسکو ایک سو اونٹ انعام دیئے جاوینگے اس لئے ہر روز کئی لوگ جو انعام کے خواہاں تھے دُور دُور تک چاروں طرف آنحضرتؐ کی تلاش میں جاتے تھے مگر ناکام واپس آتے تھے۔ خود قریش بھی سراغ لگاتے لگاتے آپؐ کے پیچھے پہنچے اور عین غار پر پہنچ گئے۔ لکھا ہے کہ وہاں پہنچکر ان کے ایک آدمی نے یہ کہا کہ سُراغ آگے نہیں چلتا اسلئے ضرور محمد (صلعم) یہیں کہیں قریب چھپا ہوا ہے۔ مگر قریش نے دیکھا تو غار ثور ایک تاریک اور غیر آبادسی جگہ تھی اور یہ شبہ بھی نہ ہو سکتا تھا کہ اس کے اندر بھی کوئی چھپ سکتا ہے اسلئے انہوں نے اس بات کو یونہی ٹال دیا اور واپس لوٹ آئے *

حدیث میں لکھا ہے کہ قریش اس قدر قریب پُہنچ گئے تھے کہ ان کے پاؤں غار کے اندر سے نظر آرہے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی عقل پر ایسا پردہ ڈالدیا کہ عین منزل مقصود پر پُہنچ کر بے نیل مرام واپس لوٹ گئے۔

حضرت ابو بکرؓ نے جب قریش کو اتنا قریب پُہنچا ہوا دیکھا تو آنحضرت صلعم کے متعلق ان کو سخت ڈر پیدا ہوا اور انہوں نے گھبرا کر کہا "یا رسول اللہؐ اب یہ اتنے قریب آگئے ہیں کہ اگر ذرا سا بھی سر جھکا کر دیکھیں گے تو ہم کو دیکھ لیں گے"۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "لا تحزن ان اللہ معنا"، یعنی "غم مت کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے"

اس واقعہ کا قرآن شریف میں بھی ذکر ہے۔

تین دن کے بعد آنحضرتؐ کے پاس رپورٹ آئی کہ اب عام طور پر قریش کے آدمیوں نے تعاقب کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے آپ چوتھے دن یعنی چار ربیع الاول مطابق ۲۰۔جون ۶۲۲ء کو غار ثور سے نکلے اور حضرت ابو بکرؓ نے عبداللہ بن اُریقط کو بطور راہ نما کے ساتھ لیا حضرت ابو بکرؓ نے ہجرت کے انتظار میں ایک عرصہ سے دو اونٹنیاں پال رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک جو القصوا کے نام سے مشہور ہے آنحضرت صلعم سوار ہوگئے۔ القصوا حضرت ابو بکرؓ نے بطور نذر پیش کی تھی مگر آنحضرتؐ نے اس موقعہ پر نذر لینی پسند نہ کی بلکہ قیمتاً لی۔ اور دوسری اونٹنی پر حضرت ابو بکرؓ اور انکا خادم عامر بن فہیرۃ سوار ہوگئے چونکہ قریش کے تعاقب کا خوف تھا اس لئے غار سے نکل کر برابر ایک دن اور ایک رات چلتے گئے۔ اور شروع میں عام معروف راستہ پر نہیں گئے۔ بلکہ غیر معروف رستہ سے گئے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت جب سورج کی گرمی تیز ہوئی تو آپ ایک بڑے پتھر کے سایہ میں آرام کے لئے اُترے۔ حضرت ابو بکرؓ نے جھٹ آپؐ کے آرام کے لئے ایک جگہ صاف کردی اور اسپر پوستین بچھادی اور پھر آنحضرتؐ سے عرض کی "یارسول اللہ آپ آرام فرمادیں اور کچھ سو جائیں۔ میں پہرہ دیتا ہوں"۔ سو آپ سو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ روایت کرتے ہیں کہ ابھی آپؐ کی

آنکھ لگی ہی تھی کہ اچانک وہاں سے ایک چرواہا آنکلا جس کے ساتھ چند بکریاں تھی۔ مینے اسے کہا کیا تم ہم کو کچھ دودھ دو گے اس نے کہا ہاں۔ پھر اس نے ایک بکری پکڑی اور میں نے اس کا تھن اس سے خوب اچھی طرح صاف کروایا اور پھر اس نے اپنے لکڑی کے پیالہ میں کچھ دودھ دوہا۔ اور میں وہ دودھ لیکر آنحضرتؐ کے پاس آیا مگر آنحضرتؐ سو رہے تھے اور مینے آنحضرتؐ کو جگانا بُرا سمجھا۔ سو مینے انتظار کیا حتیٰ کہ آپؐ خود جاگے۔ پھر مینے دودھ میں کچھ پانی ملا کر اسے ٹھنڈا کیا اور آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا اور آنحضرتؐ نے خوب اچھی طرح پیا یہاں تک میں خوش ہوگیا۔ پھر آپؐ نے مجھ سے فرمایا۔ کیا کوچ کا وقت نہیں آیا؟ ۔ پس ہم نے کوچ کیا بعد اس کے کہ سورج ڈھل چکا تھا۔ مگر ہم نے دیکھا کہ سراقہ بن مالک ہمارے تعاقب میں آرہا ہے۔ مینے آنحضرتؐ سے عرض کی یا رسول اللہؐ دشمن ہمارے پاس آپہنچا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کوئی فکر کی بات نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔٭ پھر آنحضرتؐ نے دعا کی سو ہم نے دیکھا کہ اسکے گھوڑے نے ایسی ٹھوکر کھائی کہ اس کی ٹانگیں اس کے پیٹ تک زمین میں دھس گئیں اور نکلنے میں نہ آتی تھیں۔ اسپر سراقہ خوف زدہ ہوا اور اس نے کہا کہ مینے جان لیا ہے کہ یہ تمہاری دعا کا اثر ہے پس میرے لئے دعا کرو کہ خدا مجھے نجات دے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ واپس لوٹ جاؤں گا اور باقی ڈھونڈنے والے بھی جو مجھے ملینگے ان کو بھی واپس پھیر دونگا آنحضرتؐ نے دعا کی تو اس نے خلاصی پائی۔ جس کے بعد وہ واپس لوٹ گیا اور جو کوئی اسے راستہ میں ملتا تھا اسے کہتا تھا کہ تلاش نہ کرو۔ میں تلاش کرچکا ہوں کوئی پتہ نہیں چلتا۔"

اسی واقعہ کے متعلق بخاری میں سراقہ بن مالک سے حضرت عائشہؓ کی ایک روایت آتی ہے کہ جب میں گھوڑا بھگاتا ہوا آنحضرت صلعم کے پیچھے جاتا تھا تو مینے دیکھا کہ

٭ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب سراقہ بالکل قریب آپہنچا تو حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا "روتے کیوں ہو"، ابوبکرؓ نے جواب دیا خدا کی قسم مجھے اپنی جان کا ہرگز خوف نہیں مگر ایسا نہ ہو آپؐ کو کوئی تکلیف پہنچ جائے" حضرتؐ نے فرمایا "غم مت کر اللہ ہمارے ساتھ ہے"

حضرت ابوبکرؓ بار بار گھبرا کر پیچھے کی طرف دیکھتے تھے لیکن آنحضرت صلعم نے ایک دفعہ بھی پیچھے کی طرف نہیں دیکھا حتیٰ کہ جب مَیں بالکل قریب پہنچ گیا تو مَینے سنا کہ آپ بڑے اطمینان کی حالت میں قرآن شریف کی آیات تلاوت کرتے جاتے تھے''

سراقہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ جب میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور پیٹ تک زمین میں دھس گیا اور مَیں گویا آنحضرت صلعم کے قبضہ میں تھا تو مَینے یہ محسوس کیا کہ ایک دن ضرور اس شخص کا ستارہ اوج پر ہوگا اور یہ اپنے دشمنوں پر غالب ہو جائیگا پس مَینے کہا ''مجھے امن کی تحریر لکھدیجئے'' چنانچہ آنحضرتؐ کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ کے خادم عامر بن فہیرۃ نے ایک پتہ پر مجھے ایسی تحریر لکھدی'' سراقہ کہتا ہے کہ جب حنین فتح ہوا تو مَینے آنحضرتؐ کے سامنے یہ تحریر پیش کی ؛

ایک اور روایت آتی ہے کہ اسی موقعہ پر آنحضرت صلعم نے سراقہ بن مالک سے فرمایا ''اے سراقہ تیرا کیا حال ہوگا جب کہ تیرے ہاتھوں میں کسریٰ (شہنشاہ ایران) کے کنگن ہونگے''۔ سراقہ نے حیران ہوکر پوچھا ''کسریٰ بن ہرمز؟'' آپؐ نے فرمایا ''ہاں''۔ لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کسریٰ کے کنگن مال غنیمت میں آئے تو حضرت عمرؓ نے سراقہ کو بلا کر اپنے سامنے اسے یہ کنگن پہنوائے اور پھر جب اسکے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ لئے اور رسول اللہؐ کی پیشگوئی پوری ہو چکی تو آپؓ نے فرمایا کہ ''اچھا اب اُتار دو''۔ کیونکہ اسلام میں سونا اور جواہرات وغیرہ پہننا مرد کے لئے ممنوع ہے۔ اور وہ بیش بہا کنگن اسے بطور انعام کے دیدیئے گئے ؛

خیر جب سراقہ کے تعاقب سے رہائی ہوئی تو آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ آگے روانہ ہوئے اور راستہ میں مختلف منزلوں پر قیام کرتے ہوئے آٹھ دن کے تیز سفر کے بعد شروع ۱۴ سنہ نبوی ماہ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ مطابق ۲۸ - جون ۶۲۲ سنہ ع کو بروز پیر مدینہ کے قریب پہنچے۔ اہل یثرب کو آنحضرتؐ کی مکّہ سے روانگی کی خبر پہنچ چکی تھی۔ اس لئے وہ ہر روز مدینہ سے باہر دُور تک آپؐ کے استقبال کیلئے جاتے تھے اور دوپہر

تک انتظار کرتے تھے۔ جب دھوپ خوب گرم ہو جاتی تھی تو مایوس ہو کر واپس لوٹ آتے تھے۔ اس دن بھی وہ حسب معمول آپؐ کے استقبال کے لئے گئے ہوئے تھے۔ مگر چونکہ دن بہت چڑھ آیا ہوا تھا اس لئے آج بھی مایوس ہو کر واپس جا رہے تھے کہ ایک یہودی نے دور سے آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کو آتے ہوئے دیکھا اور پہچانا اور زور سے پکار کر کہا "اہل عرب جس کا تم راہ دیکھ رہے ہو وہ یہ آتا ہے"۔

(باقی آیندہ)

اِسلام میں رُوحانیّت

(از چودھری ظفراللہ خاں صاحب بی۔ اے)

بہت سے اسلام کے دشمنوں اور غیر مذاہب کے محققین کا یہ خیال ہے کہ اسلام روحانی امور کی طرف بہت کم توجہ کرتا ہے اور زیادہ تر زور ظاہری شکل پر دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ طریق ابتدائی مذاہب کا تھا۔ چونکہ اُسوقت انسانی عقل زیادہ روشن نہیں ہوئی تھی اور باریک فلسفیانہ مسائل ابھی حل نہیں ہوئے تھے اس لئے انسان کی توجہ زیادہ تر ظاہری امور کی طرف جاتی تھی اور وہ صرف نمائش اور شکل سے خدا کو خوش کرنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پرانے مذاہب میں رسومات زیادہ پائی جاتی ہیں۔ اسلام میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اس ظاہری شکل پر بہت زور دیا گیا ہے۔

اسلام کے چار ارکان ہیں نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ اور یہ چاروں ظاہری امور ہیں۔ اور ان پر اسقدر زور دیا جاتا ہے کہ ان میں کسی ایک کے ترک سے اسلام ناقص ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مخصوص حرکات یا خاص دنوں میں بھوکا رہنے یا کسی خاص علاقہ کی طرف سفر کرنے یا کسی خاص عرصہ کے اندر کسی معین رقم کے ادا کر دینے کے ساتھ روحانیت کا کوئی بڑا تعلق نہیں ہے۔ مختلف انسان مختلف موقعوں اور حالات کے ماتحت اگر ضرورت

ہوتو) خود ایسے قواعد تجویز کر سکتے ہیں جن سے وہ اپنی توجہ کو روحانی امور کی طرف لگا سکیں اس امر کی کوئی ضرورت نہیں کہ ایک ہی قانون کے ماتحت تمام ملکوں اور زمانوں کے لوگوں کو لایا جاوے۔ یہ امور محض ایک شکل ہیں جس کا روحانیت کے ساتھ چنداں تعلق نہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف مذاہب نے مسئلہ ارتقا کے ماتحت ترقی کرتے کرتے ایسی صورتیں اختیار کر لی ہیں کہ ظاہری شکل بالکل مفقود ہو گئی ہے اور محض روحانیت باقی رہ گئی ہے۔ مثلاً یہودیت اپنی ابتدائی حالت میں بہت سی رسومات اور عادات میں جکڑی ہوئی تھی۔ جوں جوں وہ ترقی کرتی گئی اسکی ظاہری پابندیاں اور رسوم کم ہوتی چلی گئیں چنانچہ بائیبل کے پڑھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد ہر نبی کے زمانے ہیں ظاہری شکل میں کمی ہوتی چلی گئی اور روحانی امور اور روحانی اصلاح کی طرف زیادہ توجہ کی گئی حتیٰ کہ حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں اس مسئلہ کو پورے طور پر دنیا کے ذہن نشین کر دیا گیا کہ ظاہری شکل کوئی چیز نہیں۔ روزہ بھی دل کا ہے اور عبادت بھی دل کی اور اصل کامیابی اسی میں ہے کہ اخلاق کی درستی کی جائے اور خدا اور بنی نوع انسان کے ساتھ درست تعلقات رکھے جائیں ٭

دوسرا بڑا مذہب ہندو مت ہے۔ اس مذہب کو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بھی مسئلہ ارتقا کے ماتحت اسی طرح ترقی کرتا چلا گیا ہے۔ ابتدائی حالت اس مذہب کی رسومات اور پابندیوں کے نیچے بہت دبی ہوئی تھی۔ ترقی کرتے کرتے بدھ کے زمانے میں اس امر کا اعلان کیا گیا کہ ظاہری رسومات کوئی چیز نہیں باطنی پاکیزگی اصل ہے اور اسی کی درستی قدرت کا مقصد ہے ٭

تیسرا عظیم الشان مذہب پارسی مذہب ہے جس کے آثار گو اسوقت مٹے ہوئے ہیں مگر کسی زمانہ میں اسکو ایسی ہی عزت اور رتبہ حاصل تھا جتنا کہ کسی اور بڑے سے بڑے مذہب کو حاصل ہوا۔ نصف دنیا میں اس مذہب کا زور تھا اور اسکے ماننے والے ان علاقوں میں حکمران تھے۔ اس مذہب کی حالت بھی بعینہٖ اسی طرح ہے۔ ابتدائی ایام میں اسمیں ظاہری حرکات پر بہت زور دیا جاتا تھا مگر بعد میں آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے خالص روحانیت

پر زیادہ زور دیا جانے لگا ؎

یہ نتیجہ تو ہمیں مسئلہ ارتقا کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ اس کے مقابل میں ہم اگر قوموں کے تنزل کو دیکھیں تو اس سے بھی ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کیونکہ جوں جوں کوئی قوم تنزل کی طرف گئی ہے اسی قدر اس میں پھر ظاہری شکل کی طرف زیادہ توجہ ہوتی گئی ہے حتیٰ کہ صرف شکل ہی شکل رہ گئی۔ یہودی مذہب کا تنزل ہندو مذہب کا تنزل پارسی مذہب بلکہ عیسائی مذہب کا مذہبی طور پر تنزل اس بات کا شاہد ہے۔

ہندو مذہب۔ ابتدا پر رسومات میں زور۔ ترقی میں کم۔ تنزل میں پھر وہی باتیں رونما۔ ان دونو حالتوں پر غور کرنے سے یہ نتیجہ یقینی ہے۔ کہ شکل کی پابندی ہمیشہ تہذیب کے ابتدائی درجہ میں ہوئی ہے۔ اور ترقی و تہذیب کے ساتھ ظاہری پابندی خود بخود کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ ظاہری پابندیاں اصل میں ایسے ہی لوگوں کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ جن کی عقل ابھی ابتدائی درجہ میں ہو۔ پس اسلام میں ظاہری شکل پر جو زور دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام عربوں کی اُسوقت کی حالت کے مناسب حال تھا۔ مگر اب تہذیب اور ترقی کے زمانے میں یہ دنیا کے کار آمد اور مفید نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس کا اثر ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ اسوقت خود مسلمانوں میں بعض لوگ اس قسم کے ہیں جو ان ظاہری امور کو چنداں وقعت نہیں دیتے۔ چنانچہ چند سال ہوئے۔ کہ علی گڈھ کالج کے ایک گریجوایٹ نے بعض اخبارات میں یہ مضمون شائع کیا تھا۔ کہ وضو۔ نماز روزہ۔ اور حج عربوں کے مناسب حال تھے۔ اور اُن کو محض نمونہ سمجھنا چاہیئے۔ نہ کہ حقیقت۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمونے فرمائے ہیں۔ کہ اس رنگ میں عمل کرو۔ وہی شکل ضروری نہیں ہے۔ پھر اس وقت کے لوگوں میں چونکہ انتظام اور پابندی نہیں تھی۔ اوقات ضائع کرتے تھے۔ اس لئے اُن کے لئے ایسی ہی عبادات کی ضرورت تھی۔ صفائی اُن میں کم تھی۔ اس لئے وضو کے مقرر کرنے کی ضرورت تھی۔ غسل جنابت بھی اسی لئے ضروری تھا۔ مگر آجکل زمانہ بالکل بدل گیا ہے۔ تعلیم یافتہ لوگ

صفائی رکھتے ہیں غسل کرتے ہیں۔ اس لئے اُن کے لئے نہ اس عمل کی ضرورت نہ وضو کی حاجت۔ نہ اُن کے اوقات ضائع ہوتے ہیں۔ کہ اُن کے لئے کوئی شغل پیدا کیا جاوے جو کچھ وہ اپنی صفائی کے لئے کرتے ہیں۔ وہ کافی غسل اور وضو ہے۔ اور نماز پانچ وقت کی ضروری نہیں۔ اگر دو وقت کھانے پر دعا کر لی جاوے۔ تو کافی ہے۔ اُس وقت لوگ ننگے تھے سجدہ کی تکلیف نہیں تھی۔ بادشاہ جابر تھے۔ اُسی رنگ میں عبادت کراتے تھے پس خدا کے لئے بھی ایسی ہی عبادت مقرر ہوئی۔ اب بادشاہ کے سامنے بھی سر جھکایا جاتا ہے۔ دُعا کے لئے بھی کرسی پر بیٹھے ہوئے سر جھکا لینا کافی ہے۔ روزہ کی اوّل تو ضرورت نہیں۔ اگر بہت ضروری ہو۔ تو ایک وقت کا کھانا چھوڑ دیویں۔ چائے اور بسکٹ میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح بجائے حج کے ایجوکیشنل کانفرنس میں شامل ہونا کافی ہے اُس زمانہ میں غرباء تھے۔ اِس لئے چندہ مقرر کیا گیا تھا۔ آجکل زمانہ امیر ہے۔ کام چل سکتا ہے۔ اِسی لئے علی گڈھ کالج کو چندہ دینا کافی ہے وغیرہ وغیرہ"۔

گو ایک شخص نے بدقسمتی سے اس قسم کے خیال ظاہر کئے۔ لیکن درحقیقت بہت لوگ ہیں۔ جو گو ڈر کے مارے زبان سے ظاہر نہ کرتے ہوں لیکن اُنکے دماغ انہی خیالات سے پُر ہیں۔ پس یہ ایک ایسا سوال ہے۔ جو نہ صرف اسلام کے دشمنوں یا اسلام پر دور سے نظر ڈالنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے بلکہ اس زمانہ میں خود مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہی شبہات پیدا ہو رہے ہیں۔ اور بعض لوگ اس کی وجہ سے اندر ہی اندر بدظن ہو رہے ہیں اور بعض جو قومیت کی طرف زیادہ نظر رکھتے ہیں۔ یا اُن کے دلوں میں رسماً عادتاً یا قدرتاً اسلام کی کچھ محبت ہے۔ وہ ایسی توجیحات سوچتے ہیں کہ جن سے اسلام پر سے اعتراض مٹ جاوے۔ چنانچہ جس شخص کے خیالات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُس نے بھی اِس اعتراض کو مٹانے کے لئے یہ توجیہہ سوچی کہ درحقیقت یہ باتیں نمونے ہیں۔ اُن کو مدنظر رکھکر حالات کے ماتحت خود قواعد تجویز کر لینے چاہئیں۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ نہ تو اسلام اُسکے دشمنوں نے سمجھا ہے نہ اُس کے ان دوستوں نے

یا یوں کہنا چاہیئے کہ دوست نما دشمن نے۔ جس ارتقا اور تنزل سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے وہی درحقیقت اُن کے خیالات کی غلطی ثابت کر رہا ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ کبھی بھی کوئی مذہب جس نے دنیا کے اخلاق میں کوئی تغیر پیدا کیا ہو۔ یا اُس کے روحانی طاقتوں کی اصلاح کرنے میں کامیاب ہوا ہو۔ عبادت کی ظاہری شکلوں سے خالی نہ ہوگا۔ درحقیقت ان زمانوں میں کہ جن کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ افراط اور تفریط اور اعتدال کا سوال رہا ہے۔ جس وقت کہ شکل کے اوپر زیادہ زور دیا گیا۔ اور اُس کا نتیجہ قوم میں تنزل پیدا ہوا۔ اُس کا باعث یہ نہیں ہوا۔ کہ ظاہری شکل کیوں قائم رکھی گئی۔ بلکہ اُس کا باعث یہ تھا۔ کہ اُس کے اوپر ضرورت سے زیادہ زور دیا گیا۔ اور روحانیت کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اِسی طرح اگر تہذیب کے ابتدائی زمانوں میں جس میں یہ بات نظر آتی ہے۔ کہ اُن میں شکل پر خاص زور دیا گیا ہے۔ اُس کے مقابلے میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ ابتدائی ترقی کے وقت بھی ظاہری شکل کو بالکل نظر انداز نہیں کر دیا گیا۔ اگر ان ابتدائی تعلیمات کا مقابلہ اسلام کی تعلیم سے کیا جاوے تو دونو میں ایک بیّن فرق نظر آئیگا۔ بائیبل۔ ویدوں یا ژند آوست کو پڑھو۔ اُن میں چھوٹے چھوٹے امور کے متعلق ایسے قواعد اور پابندیاں نظر آئینگی۔ کہ ایک مسلمان جو ان امور کا عادی نہیں۔ گھبرا جائیگا۔ کہ ان پابندیوں کے ساتھ اُن کی زندگی کیونکر گذرتی ہوگی۔ بائیبل کے عبادت خانوں اور قربانیوں کے قواعد پڑھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے کہ کس طرح چھوٹی سی چھوٹی تفصیل کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اسی طرح ہندو مذہب کی قومیت کے سوالوں اور عبادات کے طریقوں میں جن پابندیوں اور رسومات کو لازم کیا گیا ہے۔ انسان کی عقل کو چکرا دیتی ہیں۔ ژند اوست میں آگ جلانے اور پانی کے رکھنے تک کے قواعد بیان کیئے گئے ہیں۔ اور ایک شخص جو اِن پابندیوں کا عادی نہیں۔ ایسے مذہب پر چل کر ایک ماہ میں گھبرا جائیگا۔ پس یہ بات بالکل غلط ہے۔ کہ اسلام ظاہری شکل پر خاص زور دیتا ہے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اسلام

میں ظاہری شکل کو بھی ایک حد تک قائم رکھا گیا ہے۔ مگر اسی جگہ جہاں اُس کے قائم رکھنے سے کوئی دینی یا دنیاوی نفع ہے۔ مثلاً یہی چار رکن نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان میں ظاہری شکل کو اسی حد تک قائم رکھا گیا ہے۔ جہاں تک وہ روحانیت کی ترقی یا بنی نوع انسان کے فوائد میں ممد ہے۔ نماز۔ اس کو ادا کرنے سے پہلے چند ایک معین افعال و حرکات بتلائی گئی ہیں۔ کہ جن کے بغیر عبادت کامل نہیں ہوتی۔ اوّل وضو۔ یہ ایک ظاہری طہارت ہے۔ بے شک ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی شخص بہت صاف ستھرہ رہنے والا ہو۔ مگر جہاں وضو میں ان لوگوں کے لئے فائدہ مخفی رکھا گیا ہے۔ جو ظاہری طہارت کے ایسے پابند نہیں کیونکہ اسلام دنیا کے ہر طبقہ کے لئے ہے۔ وہاں اس میں اور بہت سے فوائد ہیں جو ہر طبقہ کے لوگوں کے لئے ہیں۔ مثلاً پہلے تو تصویری زبان میں ان تمام اعضا کو جو مبادی گناہوں کے ہیں۔ دھو کر اس بات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ کہ اسی طرز پر انسان کو خدا کی طرف جانے سے پہلے اپنی اخلاقی پاکیزگی کرنی چاہیئے۔ گناہوں کی ابتدا ہاتھ پاؤں۔ آنکھ۔ کان اور منہ سے ہوتی ہے۔ اُن کی ظاہری صفائی سے اُن کی باطنی صفائی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہی عضو ہیں۔ کہ جن کے ساتھ انسان گناہ کرتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ تصویری زبان لفظی زبان سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک ثابت شدہ مسئلہ ہے۔ کہ انسان کے خیالات کی رو ہاتھ پاؤں۔ کان۔ ناک اور منہ کے ذریعہ سے باہر کی طرف جاتی ہے۔ اور ان کو پراگندگی سے بچانے کا بہترین طریق یہ ہے۔ کہ اُن کو پانی کے ساتھ تر کر دیا جاوے۔ جن کا لازمی نتیجہ یہ ہے۔ کہ خیالات سے پراگندگی دور ہو جائیگی۔ اور اس پر پانی ڈالنے کے معنی یہی ہیں۔ جیسے کسی زیادہ تیز ہو جانے والے پرزوں کو ٹھنڈا کر دیا جاوے۔ تا کہ سٹیم ضائع نہ ہو جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلعم نے پسند فرمایا ہے کہ وضو جہاں تک ہو سکے ٹھنڈے پانی سے کیا جاوے۔ کیونکہ ٹھنڈا پانی زیادہ مفید ہے۔ غرض یہ موٹے موٹے فوائد ہیں۔ جو وضو میں حاصل ہیں۔ اسی طرح

نماز میں جس شکل کو اختیار کیا گیا ہے۔ وہ بظاہر گو ایک شکل ہی معلوم دیتی ہے۔ اور اس کا تعلق روحانیت سے کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن حقیقتاً اس کے اندر بہت سے روحانی فوائد ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ جسم ایک برتن ہے۔ اور روح ایک چیز ہے جو اسکے اندر ڈالدی گئی ہے۔ یا جسم ایک چھلکا ہے روح ایک مغز ہے۔ اور برتن کا اثر ضرور اندر کی چیز پر پڑتا ہے۔ جیسے چھلکے کا اثر مغز پر پڑتا ہے۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ مختلف دماغوں کی بناوٹ کے ماتحت انسان کی عقل میں ترقی اور تنزل واقعہ ہوتا ہے۔ ایک جگہ سے دماغ بھچ جائے تو یہ نہیں کہ چونکہ جگہ تو اتنی باقی رہی ہے۔ عقل کی قوتوں پر اثر نہ پڑے۔ بلکہ عقل پر ضرور اثر پڑتا ہے۔ بلکہ بعض خاص شکلیں۔ بنانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ویسی طاقتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو شخص غصہ کی شکل بنائے۔ آہستہ آہستہ اُس میں غصہ کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ علم بُشرہ اور علم اشکال کے ماہرین نے ایسے اصول مقرر کیئے ہیں۔ کہ جن کے ذریعہ سے بہت حد تک انسان کے خیالات اور اخلاق کا پتہ چل سکتا ہے۔

پس اس ثابت شدہ حقیقت کے ہوتے ہوئے اِس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ظاہری شکل کا قلب پر اثر ضرور پڑتا ہے۔ چنانچہ ان قواعد کے ماتحت تجربہ کیا گیا ہے۔ کہ ظاہری صورت کے تغیر کے ساتھ اخلاق میں تغیر اور اخلاق کے تغیر کے ساتھ ظاہری شکل میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ پس نماز میں اِسی قاعدہ کے ماتحت وہ تمام طریقے جن میں فطرتاً تذلل اور انکسار پیدا ہو۔ مدِنظر رکھے گئے ہیں۔ نماز کے کسی حصّہ میں بناوٹ نہیں۔ بلکہ وہ تمام کے تمام فطرتی اصول ہیں جن کے ذریعہ سے لازماً روحانیت عجز۔ اور انکسار پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ہاتھ اُٹھا کر چھوڑ دینا اسکی تصویری زبان میں جو اکثر ممالک میں اِسوقت تک قائم ہے۔ یہ معنی ہیں۔ کہ ہر طرف سے توجہ ہٹالی جاوے۔ بے تعلقی ہو۔ اِسی طرح ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا نگاہیں نیچی رکھنا رکوع سجدہ دوزانو بیٹھنا یہ سب تذلل اور انکسار کے فطرتی طریق ہیں۔ اِسی طرح مثلاً جماعت اتحاد

کے قائم کرنے کی علامت ہے۔ جب انسان ظاہری شکل میں ایک صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ تو وہ اِس حالت سے اقرار کرتے ہیں کہ وہ روحانی عقائد میں بھی اِس رنگ میں اتفاق اور اتحاد کے ساتھ خدا تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرینگے۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رہے کہ کوئی مغز بغیر پوست کے نہیں ہوتا۔ اور کوئی پوست مطلوب اور مقصود نہیں جب تک اُس کے اندر مغز نہ ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں میں پوست یعنی ظاہری شکل کے چھوڑنے کا خیال آیا اُن سے حقیقت بھی بالکل غائب ہوگئی۔ بہر حال اگر فرض کر بھی لیں کہ بعض لوگ بغیر پوست مغز کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر کسی قاعدے کے ماتحت ان لوگوں کو نہ لایا جاوے تو لازمی نتیجہ یہ نکلیگا کہ ہر ایک شخص جو عبادت سے جی چرائیگا وہ کہ دیگا کہ میں بغیر پوست کے مغز حاصل کر سکتا ہوں۔ پس یہ آزادی رُوحانیت کی ہلاکت کا باعث ہوگی نہ کہ ترقی کا۔ جیسا کہ صرف وہ لوگ جو ان اعتراضوں سے ڈر کر اس بات پر زور دیتے ہیں۔ کہ اصل مقصود ظاہری شکل نہیں۔ بلکہ دل کی طہارت اور پاکیزگی ہے۔ اُن میں نہ دل کی طہارت ہے۔ نہ ظاہری شکل۔ ایسے لوگوں کو دن رات میں ایک دفعہ بھی خدا کا خیال پیدا نہیں ہوتا۔ اگر بغیر اس پوست کے مغز حاصل ہو سکتا تو ضرور تھا کہ وہ خدا کے ذکر سے غافل نہ ہوتے۔ مگر اس ظاہری عادت کے چھوڑنے سے دلوں کی عادت بھی چھٹ گئی۔ اس قانون کے ماتحت کم از کم پانچ وقت تو ضرور خدا کی طرف توجہ پھر جاتی تھی۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ مقصود بالذات مغز ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا مغز بغیر پوست کے رہ بھی سکتا ہے خدا کے ظاہری قانون سے اس کے باطنی قانون کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ اس کا ظاہری قانون بتاتا ہے کہ تمام مغز پوستوں کے اندر نشوونما پاتے ہیں گو ہمارے مقصود بالذات پوست نہیں ہوتے کیا اگر بادام کسی کے باغ میں لگیں اور وہ فوراً چھلکا اُتار کر پھینک دے۔ تو کیا اس باغ میں بادام نشوونما پا سکتا ہے۔ یا آم پر سے آم کا چھلکا اُتار دیں تو وہ پک جائیگا شیرینی تو پوست کے اندر پیدا ہوگی مگر پوست مقصود نہیں ہوگا۔ لطیف اشیاء ہمیشہ حفاظت کی محتاج ہوتی ہیں جس طرح

روح جسم کی محتاج ہے اسی طرح روحانی عبادت میں بھی ایک حد تک جسمانی شکلوں کی محتاج ہیں ہاں اس شکل کو اصل سمجھ لینا غلطی ہے اور اسلام ہرگز اس بات کو جائز نہیں سمجھتا۔ رسول اللہؐ نے ایسی عبادت کو ہرگز پسند نہیں فرمایا بلکہ آپؐ فرماتے ہیں کہ اسی نماز کا فائدہ ہوتا ہے جس میں دل خدا کی طرف متوجہ ہو۔ اگر دل متوجہ نہیں تو ظاہری حرکات سے کوئی فائدہ نہیں۔ جس طرح بے مغز بادام کچھ چیز نہیں؛

دوسری عبادت روزہ ہے - اس میں بھی گو بظاہر کھانے اور پینے سے ایک خاص وقت تک روکا گیا ہے اور بظاہر یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ روکنا محض عبادت کے طور پر ہے مگر درحقیقت یہ بہت سے روحانی فوائد اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ بات ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ انسانی روح کی توجہ کو مادیات کی طرف جھکانے والا اس کا مادیات سے تعلق ہے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حد سے زیادہ اپنے جسم کی پرورش کرتے ہیں۔ ان کی روحانیت کثیف ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دماغی کام کرنے والے لوگ جو کہ خاص قابلیت رکھتے ہوں اور خاص طور پر دنیا کے لئے مفید ہوں وہ خوراک وغیرہ کے لحاظ میں کبھی غالی نہیں ہوتے۔ اس وقت بھی جبکہ ظاہری آرام و آسائش کی طرف دنیا کو بہت توجہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ دماغی کام کرنے والے لوگ کھانے پینے کی طرف اپنے حالات کے باعث دوسرے لوگوں کی نسبت ضرور کم توجہ کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک روح کو جسم کی قید سے ایک حد تک آزاد نہ کیا جاوے وہ کامل طور پر بلند پروازی نہیں دکھا سکتی۔ تمام مذاہب اور تمام بڑے بڑے انسان جو کبھی دنیا میں گذرے ہیں۔ اور جنہوں نے روحانی طور پر کوئی کمال حاصل کیا ہے ان کی زندگیوں کے حالات پڑھنے سے اور ان مذاہب کی کتب کے مطالعہ سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ ان سب نے اپنی زندگیوں میں ایک حد تک روزے رکھے۔ اور سب مذاہب نے پیروؤں کو روزے رکھنے کی تاکید کی۔ دنیا کے ہزاروں مذاہب میں سے جو خواہ تہذیب کے ابتدائی حصہ میں ہوں یا انتہائی میں صرف دو مذہب ایسے ہیں کہ جن کی نسبت اس وقت کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ روزوں کی

تعلیم نہیں۔ ایک پارسی مذہب اور دوسرا کنفیوشیس مذہب۔ مگر تحقیقات جدید سے یہ بات ثابت کردی ہے کہ پارسی مذہب میں بھی روزوں کا حکم تھا۔ چنانچہ ان کی ایک دعا میں روزوں کا ذکر ہے۔ اب صرف ایک مذہب رہ جاتا ہے جس میں روزہ کی تعلیم معلوم نہیں ہو سکی۔ ہم دوسرے مذاہب کی وسیع شہادت کے مقابلے میں نہیں کہہ سکتے کہ واقعہ میں اس مذہب میں روزے نہ تھے۔ اور یہ ایک مثال ہمارے مدعا کے ثبوت میں روک نہیں ہو سکتی۔ عبادات کی ظاہری شکل سے انکار کرنیوالا سب سے بڑا مذہب عیسائیت ہے مگر حضرت مسیحؑ خود اور ان کے حواری روزہ رکھتے تھے۔ یہ عظیم الشان اتفاق جو اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم کی روحانی ترقی کے لئے روزے ضروری سمجھے گئے ہیں ہمیں اس نتیجہ تک پہنچاتا ہے کہ روزے صرف ایک رسم اور قانون کے طور پر نہیں رکھے گئے بلکہ ان کا روحانیت کے ساتھ گہرا تعلق ہے چنانچہ قرآن کریم میں اس بات کو پیش کیا گیا ہے (کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون) اس میں دو نو باتیں قرآن کریم نے پیش کی ہیں۔ اے لوگو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں یعنی اس میں صرف حکم دیا ہے تاکہ جو لوگ رضا کے لئے حکم ماننے کے عادی ہیں وہ اس حکم پر عمل کریں۔ ان کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ اس سے بظاہر کوئی فائدہ بھی ہو تب ہی وہ اتباع کریں گے۔ دوسرے کما کتب علی الذین من قبلکم یعنی جیسے پہلے لوگوں کی ترقی کے لئے ضروری سمجھا گیا تھا اور ان پر روزے فرض کیئے گئے تھے اسی طرح اور اسی غرض سے تمہارے لئے بھی روزے فرض کیئے گئے ہیں اور وہ غرض کیا ہے لعلکم تتقون تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔ پھر فرمایا لعلکم تتقون محض تحکم یا عبودیت کے اظہار کے لئے نہیں بلکہ ان کا نتیجہ تقویٰ ہے پس قرآن کریم خود دعویٰ کرتا ہے کہ یہ عبادت بھی محض شکل نہیں بلکہ اس کے اندر روحانیت ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کے اندر تقویٰ پیدا ہوتا ہے بدیوں سے بچنے کی طاقت ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تعلق دل میں قائم ہوتا ہے۔ اس کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ روح کو ایک حد تک جسم سے جدا کرنے کا ذریعہ روزہ ہے جس سے

نتیجہ میں روح میں بلند پروازگی پیدا ہوتی ہے گو اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ روح جیسے علمی ترقی کے لئے جدائی چاہتی ہے عملی ترقی کے لئے اتحاد چاہتی ہے پس جہاں جہاں علمی ترقی کا در روزوں کے ذریعے سے کھولا گیا ہے وہاں عملی ترقی کو جسم کی حفاظت اور اسکی قوت کو قائم رکھنے کے ساتھ مستحکم کیا گیا ہے چنانچہ فرض کے طور پر سال بھر میں صرف ایک ماہ کے روزے رکھے گئے ہیں اور روزانہ روزہ رکھنے سے قطعی طور پر روکا گیا ہے۔ گویا سال میں سے ایک حصہ روزے لازمی و فرض ہیں اور ایک حصہ میں کھانا پینا لازمی و فرض ہے اور اس طرح روح کی علمی اور عملی ترقیات کے لئے سامان بہم پہنچا دیا گیا ہے علاوہ ازیں روزوں میں اخلاقی اور سیاسی فوائد بھی بہت سے ہیں جب تک انسان محنت کش نہ ہو کسی کام کے قابل نہیں ہو سکتا۔ دنیاوی محنتیں اور کوششیں تو صرف غرباء کے لئے ہوتی ہیں کیونکہ وہ ان کے اٹھانے کے لئے مجبور ہوتے ہیں مگر امرا عام طور پر آسائش پسند ہوتے ہیں پس اس شرعی حکم کے ماتحت ان میں بھی ضرورت کے موقعہ پر کام کی قابلیت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح روزے انسان کو اس ضروری فرض کی طرف بھی متوجہ کرتے ہیں جو ایک انسان پر اسکے دوسرے بھائی کی فاقہ کشی اور غربت کے وقت عائد ہوتا ہے درحقیقت کوئی تکلیف اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی جبتک انسان خود اس میں سے نہ گذرے جن لوگوں کو ایک ناشتہ کا بھی فاقہ نہ ہوا ہو۔ وہ اپنے بھوکے بھائی کی تکلیف کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ روزے کے ذریعہ سے ہر ایک مسلمان اچھی طرح سے سمجھتا ہے کہ مجھ پر میرے غریب بھائیوں کی خدمت اور خبر گیری فرض ہے اور یہ تکلیف معمولی تکلیف نہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سے اخلاقی فوائد اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ مگر یہ دوسرے درجہ میں ہیں اصل فائدہ وہی روحانی فائدہ ہے جو لعلکم تتقون میں بیان کیا گیا ہے یعنی روح کی اعلیٰ تربیت۔ رسول کریم صلعم نے بھی فرمایا ہے کہ خدا صرف اس بات پر خوش نہیں ہوتا کہ انسان بھوکا اور پیاسہ رہے اگر روزہ کے نتیجہ میں بدیوں سے نہ بچے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کی علت غائی روح کو قوی کرنا ہے اور بدیوں سے بچنے کی قوت پیدا کرنا۔ اور اگر کوئی شخص شکل کی حفاظت کرتا ہے

مگر مغز کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ تو رسول کریمؐ فرماتے ہیں کہ اس کا روزہ کوئی روزہ نہیں ؛

تیسرا حکم حج ہے:۔ بظاہر یہ حکم بھی صرف ایک رسم و عادت معلوم ہوتا ہے اور اس میں بھی بہت سی باتیں صرف ظاہری شکل تک ہی محدود معلوم ہوتی ہیں۔ حقیقت کوئی نظر نہیں آتی۔ مگر حقیقتاً یہ بھی اپنے اندر بہت سی حقیقتیں اور طبعی فوائد رکھتا ہے۔ پہلے ہم حج کے مقام کو لیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حج کے لئے کوئی اور مقام بھی مقرر ہو سکتا تھا۔ اور اگر اس بات کی اجازت دیدی جاتی کہ ہر ملک والے اپنے لئے کوئی مقام مقرر کرلیں تو بظاہر یہ اعتراض مٹ جاتا کہ اسلام نے ظاہری شکل پر بہت زور دیا ہے مگر ایسا کرنا درحقیقت ان فوائد کو ملیا میٹ کرنا ہے جو ایک معین مقام اور بالخصوص مکہ کے مقرر کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ آج کے زمانے سے پہلے لوگ اس حقیقت کو اس عمدگی سے نہیں سمجھ سکتے تھے۔ آپ لوگوں سے پہلی کوئی قوم نہیں گذری جو اس حکم کی اہمیت کو آپ سے زیادہ عمدگی سے سمجھ سکے۔ بیشک مقامات کئی مقرر ہو سکتے ہیں۔ ہندوستانی ہندوستان میں۔ جاپانی جاپان میں۔ عرب عرب میں۔ ایرانی ایران میں۔ ایک ایک مقام مقرر کرلیں۔ مگر یہ تو بتاؤ وہ کونسی طاقت ہوتی جو ان مقامات کو دنیا سے مقدس منوا لیتی۔ کیا اسقدر مقامات کی حرمت اور انکی حفاظت۔ غیر قوموں سے کروائی جا سکتی تھی۔ ایک مرکز ہے جس کے ساتھ تمام مسلمانوں کے خواہ وہ کسی ملک یا فرقہ میں ہوں قلوب وابستہ ہیں اور یہی مرکز دنیا کی نظروں کو دوسری طرف پھیر دیتا ہے۔ اگر یہ مرکزیت کسی مکان کو حاصل نہ ہوتی۔ تو ایک مکان بھی محفوظ رکھا نہ جا سکتا۔ پس ایک خاص مقام کا مقرر کرنا اسلام کی وحدت کے لئے ضروری تھا۔ علاوہ ازیں اسکے دشمنوں سے ایسی صورت میں اپنے اپنے مقرر کردہ مقامات کا احترام نہیں کرایا جا سکتا تھا۔ ایسے مقام پر تمام فرق کے لوگ نہیں جمع ہو سکتے تھے۔ کیا کوئی انسانی مقرر کردہ مقام بھی ایسا ہے جسکے ساتھ سب فرقوں کا تعلق ہو۔ اگر علی گڈھ جانا نیچری ثواب سمجھتا ہے۔ تو ایک مولویوں کا دلدادہ اسکو کفر اور موجب عذاب یقین کرتا ہے۔ اجمیر کو اگر ایک پیر پرست جنت کا دروازہ یقین

کرتا ہے۔ تو ایک اہل حدیث دوزخ کا رستہ۔ غرض ہر ایک مقام جس کو کوئی شخص چن سکتا ہے۔ وہ اپنے اندر ایسے خطرے رکھتا ہے۔ کہ بعض دوسری قومیں اسے نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ خدا اور اس کے رسول نے چونکہ ایک مقام تجویز کر دیا ہے۔ اس لیے کسی قوم یا فرقہ کو بھی اس کے قبول سے انکار نہیں۔ خواہ شیعہ خواہ خوارج خواہ سُنّی وہ فرقے جو نماز جیسی عبادت پر بھی اکٹھے نہیں ہوتے۔ وہ جماعتیں جو کسی مجلس میں اکٹھی شامل نہیں ہو سکتیں۔ وہ بغیر کسی امتیاز اور فرق کے اس نکتہ اتحاد کی طرف لبیک اللھم لبیک کہتی ہوئی مل جاتی ہیں۔ تو اس وقت اس اتحاد کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو کہ تعظیم کعبہ قائم کرنے سے اسلام کے اندر پیدا کرا دیا گیا ہے۔ آج مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنیوالی کونسی چیز رہ گئی ہے۔ نماز متحد نہیں۔ اور روزے اور زکوٰۃ بھی علیحدہ ہیں۔ سیاست۔ تعلیم عقائد خیالات متفرق ہیں۔ اگر کوئی چیز ایک ہے۔ اور جس پر سب مسلمان اپنے ظاہری عمل میں متحد ہو جاتے ہیں۔ تو وہ مکہ ہے لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ بیشک ایک وہ چیز ہے۔ جس پر سب مسلمانی کے دعویدار متفق ہیں۔ مگر اس کا ظاہر میں وجود نہیں۔ اس لئے اس پر اتفاق کے اظہار کا کوئی ذریعہ نہیں۔ مگر بیت اللہ ایک پتھروں کا بنا ہوا مکان ہے۔ جو سامنے نظر آتا ہے۔ اور اسکے ارد گرد تمام فرقہائے اسلام کا اجتماع جبکہ کل بغض اور کینہ کو اپنے دل سے نکال دیا جاتا ہے۔ ایک ایسا یقینی ذریعہ اتحاد ہے۔ کہ اس کے ذریعہ سے ہزاروں پوشیدہ مصائب مسلمانوں کے سروں پر سے ٹل گئے ہیں۔ جو کہ ابھی سیاسی ابتری مسلمانوں کے لشکر میں پڑی ہے۔ اسکے نتائج اس سے زیادہ خطرناک ہوتے جو آجکل ہوتے ہیں اگر یہ اتحادی نکتہ اسلام میں قائم نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر متفرق مقامات ہوتے بھی اور ان پر اپنے اپنے علاقے کے گروہ متفق بھی ہو جاتے۔ اور دوست اور دشمن انکا احترام بھی کر لیتے۔ تب بھی وہ وحدت جو ایک مقام پر سب دنیا کے مسلمانوں کے جمع ہونے سے پیدا ہو سکتی ہے۔ کب پیدا ہو سکتی۔ اور وہ

رشتۂ اتحاد جو مکہ سے چلکر سب مسلمان کہلانیوالے لوگوں کو ایک سلک میں منسلک کرتے ہوئے بلا استثنائے احدے پھر مکہ میں آداخل ہوتا ہے۔ وہ اپنا ظہور کس طرح کر سکتا تھا۔ پس ایک مقام کا ہونا نہایت لازمی اور ضروری تھا۔ اور وہ مقام مکہ کے سوائے اور کون ہو سکتا تھا۔ جو ابتدائے زمانہ سے مہبط انوار و برکات چلا آیا ہے۔ خاص مقامات میں خاص خاص برکات ہوتی ہیں۔ اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور یہ ایسی بات ہے۔ کہ اسکی تائید میں لاکھوں راستبازوں اور صادقوں کی شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اور اس قدر شہادتوں کی موجودگی میں کسی بات کا انکار کر دینا انسان کو سوفسطہ کے نقطہ سے نیچے کسی مقام پر ٹھیرنے نہیں دیتا۔ یقیناً نتیجہ یا سوفسطہ پیدا ہوگا یا اس انکار کو ضد پر محمول کرینگے پس مکہ جو کہ دنیا میں سب سے پہلا مقام ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے سب سے پہلے عبادت کے لئے مقرر کیا (ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی الخ)

اسمیں خدا تعالیٰ نے پیش کیا ہے۔ کہ سب سے پہلا مقام یہی مقرر کیا گیا اور بعد میں بھی بڑے بڑے انبیاء اور صلحاء کا اسکے ساتھ تعلق ہمیشہ رہا ہے۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی اس کے قریب ہوئی۔ پس یہ مقام اپنے اندر خصوصیات رکھتا ہے۔ اور خاص برکات وہاں نازل ہوتی ہیں (حضرت ابراہیمؑ کی دعا) پس جب ایک مقام مقرر کرنا تھا۔ تو ضرور تھا۔ کہ وہی کوئی مقام مقرر کیا جاتا جو سب سے بہتر ہوتا۔ تاکہ روحانی۔ سیاسی۔ تمدنی تمام قسم کے فوائد اس ایک جگہ پر کے اجتماع سے حاصل ہو جاتے۔ پس مکہ کو اسلام کا مرکز مقرر کرنا اور اس میں صاحب مقدرت لوگوں پر کم سے کم عمر میں ایک دفعہ جانا فرض کر دینا ایک رسم نہیں بلکہ اپنے اندر روحانی۔ سیاسی۔ تمدنی تمام قسم کے فوائد رکھتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ اسلام کی حیات کا بہت بڑا ذریعہ ہے ؛

اب رہا کہ اس میں خاص خاص معین اعمال کیوں مقرر کیئے گئے ہیں۔ کیوں

صرف اجتماع پر بس نہیں کیا گیا اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ خاص خاص مقامات خاص برکات رکھتے ہیں پس حج میں جو خاص مقامات قدیم ایام سے مبارک چلے آئے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی برکات نازل ہوئی ہیں انپر عبادت کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا جاتا ہے کیونکہ اسلام اس بات کو جائز نہیں رکھتا کہ لوگ کسی جگہ جمع ہوں اور وہاں خدا کا ذکر نہ کیا جاوے۔ عرفات مشعر حرام منیٰ بیت اللہ صفا مروہ یہ سب وہ مقامات ہیں جہاں خدا تعالیٰ کی معرفت اور اسکی رحمت کے دروازے اس کے بندوں پر کھولے جاتے ہیں پس ان مقامات کی برکات کے حصول کے لئے وہاں انسان جاتے ہیں اور وہاں خدا تعالیٰ کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرتے ہیں۔ قربانی بال منڈانا یا خاص قسم کے لباس پہننے یہ بھی خاص علامات کے طور پر ہیں۔ حج کا لباس بالکل اُسی لباس کے مشابہ ہوتا ہے جو مرنیکے بعد انسان کو پہنایا جاتا ہے دو چادروں میں انسان لپٹا ہوا اس مقام پر اللہ تعا کے حضور چلتا ہے اور چونکہ تمام دنیا سے مخلوق جمع ہوتی ہے اس لئے ہم اس مقام کو ایک چھوٹا محشر کا مقام کہ سکتے ہیں۔ مختلف مقاموں کے لوگ مختلف زبانوں والے وہاں جمع ہوتے ہیں پس وہاں وہی لباس جو کفن کا لباس ہوتا ہے مقرر کر کے انسان کی توجہ کو اس طرف پھیرا گیا ہے کہ وہ حشر کے حالات کو مدِّنظر رکھکر اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرے۔ اگر حشر کا نقشہ انسان کی آنکھوں کے سامنے آسکتا ہے تو وہ صرف حج کے دنوں میں جب لاکھوں آدمی کفن کا لباس پہنے ہوئے لبیک کہتے ہوئے خدا کی طرف دوڑے آتے ہیں اور غریب اور امیر سب یکساں لباس میں ہوتے ہیں اور غریب اور امیر کی کوئی پہچان نہیں ہوتی ؎

قربانی اور سر کا منڈانا درحقیقت انسان کو اس بچپن کی طرف متوجہ کرتا ہے جو اسکی رسم عقیقہ کے ساتھ متعلق ہے یہاں بھی گویا وہ ایک نئے سِرے سے پیدائش حاصل کرتا ہے اور اس مقام پر جہاں بہت سے نبیوں نے اپنی اطاعت کا اقرار

کیا تھا۔ اس بات کا عہد کرتا ہے کہ جس طرح بچہ ایک نئی زندگی شروع کرتا ہے میں بھی آج سے ہی خدا کی اطاعت میں ایک نئی زندگی شروع کرونگا۔ قربانی بس قربانی کو یاد دلاتی ہے جو ابراہیمؑ نے خدا کے حضور پیش کی اور جس کو خدا نے قبول کرتے ہوئے بکری کی قربانی کو اس کا قائم مقام قرار دیا۔ بس حج کی قربانی ابراہیمؑ کی قربانی اور اس کے بدلہ میں خدا کی طرف سے جو برکات اسپر نازل ہوئیں یا اس کا اظہار اور نشان ہے اور اس کے ساتھ ہی انسان کا یہ اقرار بھی ہے کہ میں بھی اللہ کے لئے اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوں اور اسکا ثبوت وہ اپنے مال کی قربانی کیساتھ دیتا ہے۔ غرض حج کے قواعد میں سے تمام ہی اپنے اندر کچھ علامات اور معانی رکھتے ہیں۔ اور علاوہ معانی کے خاص برکات اور روحانیت کی ترقی کا باعث بھی ہیں کیونکہ مشابہت سے بھی انسان بہت سے فوائد حاصل کرتا ہے جب ایک مسلمان اُن مقامات پر جاتا جہاں پہلے نبیوں کو فیوض حاصل ہوئے اور اُسی حالت میں جاتا ہے تو ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے اور یہ ظاہری مشابہت قلبی مشابہت کی ممد ہوتی ہے بشرطیکہ رسم کے ماتحت نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہو۔ اس امر کے ثبوت کے لئے کہ یہ امور خدا کی معرفت کے لئے مقرر کیئے گئے ہیں۔ (ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ ومن یعظم شعائر اللہ الخ سورۃ زمر) شعائر شعرہ کی جمع ہے جس کے معنی علامت ہیں جن سے دوسری چیز کی شناخت ہو سکتی ہے۔ پس یہ جس قدر اصلاحیں ہیں وہ سب کی سب انسان کو ایک اندرونی حقیقت کی طرف لیجانے کا ذریعہ ہیں ؎

اب چوتھا رکن زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ۔ خود مسئلہ زکوٰۃ پر تو کوئی اعتراض پڑ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اپنے مال کا ایک حصہ کسی مفید کام کے لئے نکال دینا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا آجتک کسی عقلمند نے انکار نہیں کیا۔ ہاں صرف یہ سوال ہو سکتا

ہے کہ ایک خاص معین رقم کیوں مقرر کر دی گئی ہے اور کیوں تمام مال نہیں چھوڑ دیا گیا اور کیوں معین اشخاص مقرر کیئے گئے ہیں۔ اسکی تقسیم کو عام نہیں کیا گیا اسکا جواب یہ ہے کہ معین رقم کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جب رقم معین نہ ہو تو اگرچہ بعض لوگ زیادہ دینے کے لئے تیار ہوں تو اس کے مقابلہ میں اکثر لوگ کم دیتے ہیں پس ضرور تھا کہ ایک خاص حصہ مقرر کیا جاتا تا کہ عام طور پر لوگ اپنے فرض کے ادا کرنے میں سستی نہ کرتے۔ باقی رہے زیادہ دینے والے لوگ۔ سو انکے لئے اللہ تعالیٰ نے صدقات کا رستہ کھلا رکھا ہے اس حصہ کا نام زکوٰۃ ہے باقی کا نام صدقہ۔ جسمیں کوئی روک نہیں ہے۔ خاص معین اشخاص دینے کے لئے کیوں مقرر کیئے گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مستحقین کی کوئی تعیین نہ کی جاتی تو بہت سے ایسے امور داخل کر لیئے جاتے جن پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا کیونکہ باقی اخراجات کسی عقیدہ یا کسی خاص طریق کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں ان کے متعلق مختلف العقائد لوگوں میں اختلاف ہوتا پس اسلام نے بیت المال کے نگرانوں کے اختیارات کو محدود کر کے ایسے امور کے متعلق اس خرچ کو مقرر کر دیا کہ جن سے آپسمیں اختلاف کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔ دوسرے اس حصۂ مال میں صرف ان لوگوں کا حق رکھا گیا جو حاجتمند ہیں اگر اس کی اجازت سیاسی اور علمی ترقیات کے متعلق بھی رکھدی جاتی تو نتیجہ یہ ہوتا کہ روپے کا اکثر حصہ مالداروں پر ہی صرف ہو جاتا۔

باقی رہا یہ سوال کہ کسی وقت یہ مستحقین مستحق نہیں رہتے باطل بات ہے اسلام سستی اور غفلت کو ناجائز سمجھتا ہے۔ ہر زمانہ میں اپاہج لولے۔ لنگڑے آسمانی بلاؤں کے باعث مقروض لوگوں کا وجود پایا جاتا ہے اور بڑی سے بڑی ترقی یافتہ قوم بھی اپنے آزاد لوگوں کو مصائب سے محفوظ رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ انگلستان بھی ایسے لوگوں سے بھرا پڑا ہے۔ شریر لوگ غفلت اور سستی کی وجہ سے نکمے رہ کر ان اموال سے اگر فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور انکو یہ اموال دیدیئے جاتے ہیں تو یہ

دینے والوں کا قصور ہے اس سے مسئلہ پر اعتراض نہیں ہو سکتا اور یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ قسمیں جو مستحقین کی ہیں وہ مفقود نہیں ہو گئی ہیں۔ زکوٰۃ سے اسلام ایک عظیم الشان بنا رکھی تھی۔ مسلمانوں کی ترقی کیا ہر ایک جماعت افراد سے بنتی ہے افراد کی ترقی سے جماعت کی ترقی ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی جماعت کامیاب نہیں ہو سکتی جبتک اسکے افراد اسکے لئے قربانی نہ کریں اسی طرح کوئی جماعت کامیاب نہیں ہو سکتی جبتک وہ اپنے تمام افراد کو حتی الوسع ترقی کے زینے پر چڑھانے کی کوشش نہ کرے پس قربانی باہمی ہونی چاہیئے جس قوم کا کافی حصہ معطل ہو گا وہ ضرور دوسروں کی نسبت گری رہے گی پس جماعت کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ یتامیٰ مساکین مسافروں کی خبر گیری کی جاوے جس قدر مصائب میں لوگ گریں انکو سہارا دیکر اُٹھایا جائے تاکہ انکے ملنے سے جماعت کی طاقت بڑھے اگر زکوٰۃ کے مسئلہ پر مسلمان قائم رہتے تو آج اس ذلت کا مُنہ بھی نہ دیکھتے۔ غرض یہ چاروں عبادات جو رکن ہیں بقیہ احکام کے انہیں جسقدر کہ ظاہری شکل کا لحاظ رکھا گیا ہے اسقدر لحاظ ضروری تھا اس قدر لحاظ رکھنے کے بغیر مغز قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ پس یہ غلط ہے کہ اسلام ظاہری شکل پر بہت زور دیتا ہے اسلام ظاہری شکل پر صرف اسیقدر زور دیتا ہے جس قدر روحانیت کے قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے اور ہزاروں رسومات ہیں جو یا تو اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھیں . . . . یا انکی حقیقت کا حصہ ایسا کم تھا کہ انکے قیام سے کچھ فائدہ نہ تھا۔ ان کو اسلام نے بالکل مٹا دیا ہے اور اسلام نے جسقدر روحانیت کے اوپر زور دیا ہے اس قدر زور کسی کتاب یا مذہب نے نہیں دیا۔ ہاں اسلام چونکہ عالم الغیب خدا کی طرف سے آیا ہے وہ اندھا دھند احکام نہیں دیتا نہ وہ کسی چیز کو بالکل بیہودہ اور لغو قرار دیتا ہے۔ نہ وہ کسی چیز کے نقائص کو نظر انداز کر کے اسکو یقینی طور پر بابرکت قرار دیتا ہے۔ اسی حد تک وہ ایک چیز کو

قائم کرتا ہے جس حد تک وہ مفید ہو اور ہر چیز کو وہ اس کی حد پر رکھتا ہے نہ وہ اسکی
مضرتوں کو نظر انداز کرتا ہے نہ وہ اس کے فوائد کو بھولتا ہے پس اعتراض
اسلام پر نہیں پڑتا۔ اعتراض ان مذاہب پڑتا ہے جنہوں نے مشاہدات قدرت
کو نذر انداز کرتے ہوئے یہ خیال کیا ہے کہ روحانیت کی ترقی اور قیام کے
لئے جسمانی عبادات اور خاص احکام کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ انہوں نے
مغز کو بغیر پوست کے تربیت دینا چاہا جو ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے جب کسی
قوم نے یہ کوشش کی ہے وہ اپنے اخلاق میں گر گئی ہے اور یورپ مثال
کے طور پر موجود ہے۔ کسی چیز میں کسی قدر بُرائی کا ہونا اس کو بالکل بُرا یا کسی چیز میں
کسی قدر خوبی کا ہونا اس کو بالکل اچھا قرار نہیں دیتا اسی طرح کسی چیز کا سب سے اعلیٰ
قرار پانے کے یہ معنی نہیں کہ اس سے ادنیٰ کی ضرورت نہیں۔ آلات ہمیشہ مُدعا سے
ادنیٰ ہوتے ہیں مگر باوجود اسکے علم آلات کو ہرگز ترک نہیں کر سکتے مثلاً کھانا ہمارا مقصد
ہے پیالہ یا چمچہ یہ آلا ہے جو اس کھانے کے لئے دیا گیا ہے مگر ہم اسکو ترک نہیں کر سکتے
کیونکہ اس کے بغیر مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ ادنیٰ اور اعلیٰ کا مقابلہ جب ہوگا
جب مقابلہ آپڑے یعنی یہ ممکن یا ضروری ہو کہ ہم اسکو لیں اور اسکو نہ لیں اگر دو نو مقابل
پر نہ ہوں تو بعض دفعہ ضروری ہوتا ہے کہ ہم ادنیٰ اور اعلیٰ دو نو کو لیں کیونکہ بسا اوقات
ادنیٰ کے بغیر اعلیٰ بھی ہماری کام کی چیز نہیں ہوتی پس چونکہ ظاہری شکل کا بیان روحانیت
کیلئے ضروری ہے اسی حد تک اسلام نے اسکو ضروری رکھا ہے اور اس سے زیادہ اس کو
نہیں لیا۔ پس عبادات کی ان ظاہری صورتوں سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا ہے کہ اسلام نے
روحانیت پر زور نہیں دیا ہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے ظاہری صورتوں کو
کیوں قائم رکھا ہے اور اس کا جواب ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان ظاہری صورتوں کے اندر ہی
روحانی فوائد مدنظر ہیں اور یہ روحانیت کے قیام کے لئے بطور برتن کے ہیں۔ اور کون نادان ہے
جو برتنوں کو توڑ ڈالے اس خیال سے کہ ہمیں برتنوں کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اسکی ضرورت ہے
جو انکے اندر ہے؟ ہاں خالی برتن رکھنے بھی نادانی ہے اسلام اسکو جائز نہیں رکھتا؛

بقایا صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ قادیان تا یکم دسمبر ۱۹۱۸ء

	پائی	آنے	روپے
تعلیم	۱	۱۰	۱۲۰۶۳
اشاعت اسلام	۴	۶	۶۹۲۲
مقبرہ بہشتی	۵	۱۱	۹۸۲۵
مساکین	۲	۱۱	۷۷۴۱
زکوٰۃ	۸	۱	۱۵۶۱
مستقل فنڈ	۶	۲	۳۹۰۲
امانت اندرونی	۰	۱۱	۴۷۱۹
" بیرونی	۰	۲	۳۱۳
بورڈران احمدیہ	۳	۲	۲۸۴
میزان	۵	۱۰	۴۷۳۳۳
فاضلہ	۸	۱۵	۳۰۷۰۲
باقی	۹	۱۰	۱۶۶۳۰
منہائی پیشگی	۶	۸	۱۱۵۴۱
اصل باقی موجودہ	۳	۲	۵۰۸۹

فاضل صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ قادیان تا یکم دسمبر ۱۹۱۸ء

	پائی	آنے	روپے
بورڈران ہائی	۳	۶	۱۸۴۳
مدرسہ احمدیہ	۷	۷	۶۵۳۱
بیت المال	۶	۰	۱۴۰۴۷
تعمیر	۰	۱۲	۳۵۶۵
یتامیٰ	۱۰	۱۱	۴۰۷
متفرقات	۳	۷	۳۶۹۱
صدقات	۳	۲	۶۱۶
میزان	۸	۱۵	۳۰۷۰۲

محاسب
عبد المغنی

ناظر
محمد اشرف

نصر من اللہ

اسلام کی صداقت اُس کی پاک تعلیم میں ہے۔ جس کے قائل بعد تحقیقات اہل یورپ بھی ہو رہے ہیں۔ یہ لیکچر ہال اسٹار اسٹریٹ لنڈن میں قاضی عبداللہ صاحب کا لیکچر اس ہفتہ کا سُن کر ایک معزز صاحب اور ان کی لیڈی نے جو آگے بھی قاضی صاحب سے ہانڈ پارک میں گفتگو کر چکے تھے۔ سامعین کے روبرو صاف اقرار کیا کہ یہ مدلل اور درست ہے۔ ہمیں اس کے ساتھ اتفاق ہے

ایک معزز لیڈی بنام مس بائی سوتھ حضرت مفتی صاحب کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئی۔ اسلامی نام مریم رکھا گیا۔ اور اس کی درخواست بیعت بحضور حضرت خلیفۃ المسیح بھیجدی گئی ہے۔

خادم دین ایم۔ ایس۔ عباسی
۴۔ اسٹار اسٹریٹ۔ لنڈن ڈبلیو ٹو
۲۱۔ مئی سنہ ۱۹۱۹ء

4. Star St
London W. 2

برادران۔ السلام علیکم۔ عاجز کی آنکھیں تاحال علیل ہیں۔ لکھنا پڑھنا قریباً بند ہے۔ گگرے ہیں۔ دعا کے واسطے عرض ہے۔ کام روز افزوں ہے محمد صادق عفی عنہ

خاکسار راقم الحروف بھی احباب کی خدمت میں خاص دعا کے واسطے عرض کرتا ہے۔ ایک چھوٹا سا ٹریکٹ بنام A call to Truth کئی ہزار کی تعداد میں چھپوا کر تبلیغی دورہ پر جانے کا قصد ہے۔ احباب اس کی کامیابی کے لئے خصوصیت سے دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحم سے ہر میدان میں حفاظت سے رکھے۔ اور روح القدس سے تائید فرماوے۔ آمین۔ والسلام

خاکسار قاضی عبداللہ عفی عنہ ۲۱ مئی ۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۰۲۷

(مطبع میگزین قادیان میں باہتمام شیخ محمد نصیب پرنٹر و پبلشر چھپکر صدر انجمن کے لئے شائع ہوا)